آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ❖ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۵ء نمبر ۱۰

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- اکتوبر ۱۹۰۵ء کو منیجر صاحب میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالا[نہ]

فزع عیسیٰ ومن معہٗ

اس الہام الٰہی سے بڑھ کر کوئی الفاظ اس سانحہ جانگداز کی حقیقت کو بیان نہیں کر سکتے جو ۱۱ اکتوبر کو بدھ کے روز پیش آیا۔ جس دن یہ الہام سنایا گیا یعنی ۲۱ اگست ۱۹۰۵ء اسیدن حضرت مخدوم و مکرم مولوی عبدالکریم صاحب غفراللہ لہٗ کی گردن کے نیچے ایک چھوٹی سی پھنسی نمودار ہوگئی جو مولویصاحب مرحوم کی مرض کی ابتدا تھی۔ اور ۵۱ دن کی مرض کے بعد ۱۱۔ اکتوبر بدھ کے روز ½ ۲ بجے دن کے حضرت مرحوم سینتالیس سال کی عمر میں بموجب الہام الٰہی سینتالیس سال کی عمر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اس دار ناپائدار سے انتقال فرما کر حیات ابدی میں جا داخل ہوئے۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم منزلہ ووسع مدخلہ۔ اس لمبی مرض کے اثناء میں کئی دفعہ صحت کا رنگ آیا اور پھر مرض کا عود ہوا اور آخر کار ذات الجنب کے حملہ سے جس میں ۱۰۶ درجہ کا بخار ہوگیا جان سپرد خدا کی۔ صحت کا ہو جانا اور پھر بار بار بیماری کا عود کرنا گویا اس تردد کی ایک صورت تھی۔ جو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مجھے کبھی ایسا تردد نہیں ہوتا۔ جیسا مومن کی قبض روح میں تردد ہوتا ہے مومن کی زندگی نفسانی خواہشات یا دنیا کی محبت کیلئے تو ہوتی نہیں بلکہ وہ صرف اللہ تعالےٰ کے جلال کو پھیلانے کیلئے ہی دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے اور محض اسی غرض کیلیے چاہتا ہے کہ اسے عمر دیجاوے لیکن جب موت کا وقت آجاتا ہے اور تقدیر مبرم آجاتی ہے تو پھر آخر اسے سفر آخرت کیلیے چلنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جن احباب کو ایام بیماری میں حضرت مرحوم کی خدمت کا موقعہ ملا ہے انہوں نے یہی لفظ آپکے منہ سے سنے کہ فلاں مضمون میرے سر میں ہے اگر خدا توفیق اور صحت دے تو اسے لکھا جائے۔ یہی سچی مومنانہ زندگی کا ایک نقشہ ہے اور خدا نے آپکے ساتھ وہی معاملہ کیا جو وہ اپنے اولیاء کرام سے کرتا ہے ورنہ اس تیز ذیابیطس کے ساتھ جو ایک سال سے زور پکڑ گیا تھا۔ کاربنکل اسقدر مہلت نہیں دیتا چہ جائیکہ اچھا ہو جائے۔ حضرت مولویصاحب مرحوم کی صحت کیحالت ایکدفعہ تو ایسی ہوگئی کہ فرمانے لگے کہ اب تو میں دو چار دن میں چلنے پھرنے لگونگا اب خوب طاقت آگئی ہے اور گردن پر تو اب کچھ معلوم بھی نہیں ہوتا در اصل گردن کا کاربنکل بہت اچھا ہوگیا تھا۔ اور زخم بھر گیا تھا مگر ساتھ ہی اسکے مرحوم ہر وقت موت کیلیے بھی تیار رہتے تھے اور ایک لمحہ بھی اسطرف سے غافل نہیں ہوئے ان درمیانی صحت کے وقفوں کی اطلاع بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو رؤیا میں ہوتی رہی۔ مگر تقدیر مبرم وہی تھی جسے اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ اذا جاء افواج وسم من السماء یعنی جب آسمان سے فوجیں اور زہر آچکی۔ اور پھر اسکے ساتھ ہی تھا۔ کفن میں لپیٹا گیا۔ اور پھر یہ کہ ان المنایا لا تطیش سہامہا۔ یعنی موت کا تیر خطا نہیں جاتا۔ یہ سب معہ الہام سینتالیس سال کی عمر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون تقدیر مبرم کی خبریں تھیں۔ جو ۔۔۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

غلامی

۴ - غلام بنانے کا رواج

اس بحث کے بعد جو گذشتہ اشاعتوں میں ہو چکی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اسلام نے غلامی کے رواج کو ہمیشہ کیلیے اپنا جزو لازمی قرار دیدیا ہے یا کہ اسکا منشاء غلامی کو موقوف کرنیکا پایا جاتا ہے اسلام میں غلاموں کی تدریجی آزادی پر بحث کرتے ہوئے مینے یہ ثابت کیا تھا کہ تدریجی آزادی کے اصول کو قایم کرنا... سوسائیٹی کے امن اور اس کی بہتری کیلیے نہایت ضروری امر تھا اِسلیے اس حد تک اسلام کو غلامی کے جاری رہنے کی اجازت دینی پڑی جبتک آہستہ آہستہ تمام غلاموں کے آزاد ہو جانیسے بغیر سوسائیٹی کے امن میں مخل ہونیکے غلامی خود ہی دنیا سے اٹھ جائے۔ یہ بھی مینے ثابت کیا ہے کہ اگرچہ غلامی کا رواج تو یکدفعہ ہی موقوف نہیں کیا گیا مگر جسقدر مضرات اس رواج سے قدیم سوسائیٹی میں پیدا ہوتے تھے ان تمام کو اسلام نے یکقلم ہی موقوف کردیا۔ اس سوال کا مختصر سا جواب ہے جو مینے شروع میں کیا ہے اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ قرآنشریف یا حدیث شریف میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ اسلام نے غلامی کو ہمیشہ کیلیے رواج دیا۔ صرف اس بات سے کہ غلاموں کا ذکر قرآنشریف میں ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غلامی اسلام کیلیے لازمی ہے یہ کیسی بیہودہ دلیل ہے کہ چونکہ قرآنشریف غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم دیتا ہے یا غلاموں سے حسن سلوک کیلیے تاکید فرماتا ہے یا بعض حالتوں میں آزاد مردوں کو اجازت دیتا ہے کہ لونڈیوں کو بیبیاں بنالیں اس لیے اسلام کے اصول کے رو سے یہ ضروری ہے کہ ان احکام کے پورا کرنیکے لیے غلامی کے رواج کو ہمیشہ کیلیے جاری رکھا جاوے۔

درحقیقت یہ بڑی غلطی ہے یا یہ کہنا چاہیئے کہ مذہبی تعصب کیوجہ سے شرارت ہے جو یہ کہا جاوے کہ

اسلام نے غلامی کو اپنا ایسا جزو لازمی قرار دیدیا ہے کہ اب وہ اس سے الگ نہیں ہوسکتی یہ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ اسلام نے غلاموں کے آزاد کرنے کا حکم تو دیا مگر آئندہ کیلیے غلام بنانیکے رواج کو بند نہیں کیا۔ یہ بڑی غلطی ہے جنگوں کو الگ چھوڑ کر جسکا ذکر میں ابھی کرونگا۔ کوئی مثال ایسی نہیں پائی جاتی کہ جس طرح پرانی قوموں میں زبردستی پکڑ کر یا فروخت کے ذریعہ سے آزاد آدمیوں کو غلام بنایا جاتا تھا اسلام نے بھی ایسا کیا ہو۔ نہ ہی قرآن شریف یا حدیث سے اس طریق کا جواز معلوم ہوتا ہے نہ کوئی اس قسم کا حکم شریعت اسلامی میں ہے اور نہ ہی اجازت ہے کہ تم آزاد آدمیوں کو زبردستی پکڑ کر یا ادھر سے فروخت کرکے انکو غلام بنا لیا کرو جس صورت میں غلاموں کے متعلق انکی آزادی اور نیک سلوک اور انکے نکاح اور انکی سزاؤں وغیرہ کے سب احکام موجود ہیں تو یہ نتیجہ بالکل صحیح ہے کہ اگر اسلام کے نزدیک فروخت وغیرہ کے ذریعے غلام بنانا جایز ہوتا تو اسکے احکام بھی قرآن شریف میں ہونے چاہیئے تھے اور اس قسم کے احکام کے نہ ہونیسے یہ صاف پایا جاتا ہے کہ اسلام کے نزدیک آزاد لوگوں کو غلام بنانا جایز نہ تھا۔

پھر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر اسلام نے غلام بنانے کی اجازت نہیں دی تو پھر اس طریق سے روکا بھی نہیں۔ یہ عذر بھی غلط ہے۔ غلام کو آزاد کرنا یا آزاد کو غلام بنانا دو ایسے فعل ہیں جو ایک دوسرے کے بالمقابل پڑے ہوئے ہیں اور اگر کوئی شخص ان میں سے ایک کو اچھا سمجھتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ دوسرے کو برا سمجھے۔ اب ہر ایک طالب حق کو چاہیئے کہ خود قرآن شریف کو پڑھ کر دیکھ لے کہ ان میں سے کس فعل کو محمود قرار دیکر قرآن شریف نے اسکی ترغیب دی ہے اگر قرآن کریم غلاموں کے آزاد کرنیکو اسقدر نیکی اور ثواب کا کام بیان نہ کرتا بلکہ معمولی طور پر یہی کہدیتا کہ غلاموں کو آزاد کردینا بھی جایز ہے تو بیشک یہ نتیجہ صحیح نہ ہوتا کہ اسکی تعلیم کی رو سے آزاد کو غلام بنانا برا فعل ہے مگر غلاموں کے آزاد کرنیکو اسلام نے ہر ایک مسلمان کا جسکے پاس غلام ہوں مذہبی فرض قرار دیا ہے اور اس فعل کو اعلے درجہ کی نیکی اور ثواب کا کام قرار دیا ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آزاد کو غلام بنانا اسلام کے نزدیک ایک مذموم اور گناہ کا فعل ہے۔ اس بات کو اور صاف کرنیکے لیے میں ان آیات کا حوالہ پھر دونگا جن میں غلاموں کے آزاد کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ سب سے اول یہ حکم سورۃ البلد میں نازل ہوا ہے جہاں اللہ تعالیٰ انسان پر اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر کرکے فرماتا ہے۔ فلا اقتحم العقبۃ وما ادراک ما العقبۃ۔ فک رقبۃ او اطعٰم فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ۔ یعنی ہمنے تو اسقدر نعمتیں انسان کو دے رکھی ہیں مگر پھر بھی وہ ایسا ناشکر گذار ہے کہ ایک دشوار گذار راہ کو طے نہیں کرتا اور اس دشوار گذار راہ کا طے کرنا کیا ہے؟ غلام کو آزاد کرنا یا بھوک کے دن یتیم رشتہ دار یا محتاج خاک نشین کو کھانا کھلانا۔ اب اس بات کو چھوڑ کر کہ جو شخص باوجود مقدرت کے غلام کو آزاد نہیں کرتا یا اس حکم کے بموجب یتیم یا مسکین کو کھانا نہیں کھلاتا وہ خدا کے نزدیک کیسا سمجھا جاویگا۔

اتنی بات بالکل صاف ہے کہ جو شخص اس حکم کی صریح خلاف ورزی اس طرح کرتا ہے کہ آزاد کو غلام بناتا ہے یا ایک محتاج اور یتیم کو بجائے کھانا کھلانیکے اسکا کھانا اس سے چھین کر اسکو بھوکا مارتا ہے وہ خدا کے نزدیک یقیناً بڑا گنہ گار ہے۔ ایسا ہی سورۃ بقرہ میں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ حقیقی نیکی جو انسان کو خدا کی نظر میں برگزیدہ بناتی ہے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالے اور یوم آخر پر یقین کامل رکھتا ہو اور اپنا مال اللہ تعالے کی محبت کیلیے اپنے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنیوالوں اور غلامونکے آزاد کرنیکے لیے دے۔ اور نماز ونکو قایم رکھے اور زکوۃ دے اور جب عہد کرے تو اس عہد کو پورا کرے وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ انہیں سے ایک حکم یعنی غلامونکے آزاد کرنیکے عین الٹ اس طرح پر چلنا جایز ہے کہ آزاد کو غلام بنایا جاوے تو اسکو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ باقی سب احکام کے الٹ چلنا بھی قرآن شریف کے نزدیک جایز ہے جنکو اسجگہ حقیقی نیکی کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلونکو مال دینے کی بجائے انکا مال چھین لیا کرے یا نماز کو قایم کرنے کی بجائے اور ونکو بھی اس سے روکے یا عہد کر کے عمداً عہد کو توڑا کرے وغیرہ وغیرہ۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قرآن شریف غلام کے آزاد کرنیکو گناہ کا کفارہ قرار دیتا ہے پس یہ خود ظاہر ہے کہ آزاد کو غلام بنا لینا اسکے نزدیک گناہ ہے اور پھر یہ تو حکم دیا گیا ہے کہ صدقات کے روپے کا ایک حصہ غلامونکے آزاد کرنے میں صرف ہونا چاہیئے مگر یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ مسلمان گورنمنٹ کو کچھ روپیہ باقاعدہ غلامونکی خرید اور تجارت میں لگا رکھنا چاہیئے +

یہ تو قرآن شریف کے احکام ہیں جب ہم حدیث کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی ویسا ہی زور غلاموں کی آزادی پر دیا گیا ہے کسی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جس طرح جاہلیت کے زمانے میں یا دوسری قوموں کے نذر زبردستی پکڑ کر یا فروخت کے ذریعے غلام بنا لیے جایا کرتے تھے اسی طرح اسلام میں بھی کسی آدمی کو غلام بنا لیا گیا ہو۔ بلکہ ایک حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے منشاء کے مطابق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریق سے مسلمانوں کو روکدیا تھا چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قال اللہ ثلاثۃ انا خصمہم یوم القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنہ (وفی حدیث عبد اللہ ابن عمرو رجل اعتبد محررا) ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ یعنی اللہ تعالے فرماتا ہے تین قسم کے لوگ ہونگے جنکے ساتھ قیامت کے دن میں جھگڑونگا۔ ایک وہ شخص جو میرے نام پر وعدہ کرتا ہے اور پھر اسے پورا نہیں کرتا۔ اور ایک وہ شخص جو ایک آزاد کو بیچتا ہے اور اسکی قیمت کھا جاتا ہے (اور عبد اللہ بن عمر کی حدیث میں ہے کہ وہ شخص جو آزاد کو غلام بناتا ہے) اور ایک وہ شخص جو ایک مزدور کو اجرت پر لگاتا ہے اور اس سے پوری محنت لیکر اسکی مزدوری اسکو نہیں دیتا۔ اس حدیث سے تائید کی شہادت اس امر کی ملتی ہے کہ آزاد کو غلام بنانا قرآن شریف

نے جایز نہیں رکھا۔ امام بخاری علیہ السلام نے اپنے مذہب کو اس عجیب رنگ میں بیان کیا ہے کہ اپنی کتاب صحیح بخاری میں غلاموں کے متعلق جو باب باندھا ہے اسکا عنوان باب العتق و فضلہ رکھا ہے یعنی غلاموں کے آزاد کرنے اور اسکی فضیلت کا بیان۔ اور کوئی باب ہی غلاموں کے متعلق اس نے نہیں باندھا۔ یہانتک کہ غلاموں کی خرید و فروخت کا بھی کوئی باب نہیں باندھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل۔ قرآن شریف اور حدیث کی تعلیم اور بخاری کا مذہب۔ انسے بڑھکر اور کونسی شہادت ہو سکتی ہے کہ اسلام کا اصلی مذہب اور اس کی سچی تعلیم کیا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ غلاموں کی آزادی کا حکم مکّہ میں ہی نازل ہوا اور اصلاح کے مختلف پہلوؤں میں سے غلاموں کے آزاد کرنیکا پہلو ایسا تھا جسکو اسلام نے ابتدا میں ہی اختیار کیا۔ یہ تو امر واقع ہے مگر اسلام کے دشمن کہتے ہیں کہ جو ناجایز خرید و فروخت انسانوں کی بعض اسلامی ممالک میں آج کل ہو رہی ہے اسکے موقوف کرنیکے لیے اسلام کے اصول سے الگ ہونا پڑتا ہے گویا اسلام اسبات کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ غلاموں کو آزاد کیا جاوے۔ ہر ایک شخص جو تحقیق کی نظر سے اس مسئلہ کو دیکھیگا وہ سمجھ سکتا ہے کہ مروجہ خرید و فروخت غلاموں کی ایسی ہی اصول اسلام کے خلاف ہے جیسا کہ آج کل مذہب کی آڑ کے نیچے غیر مذہب والوں کا قتل جس کا نام جہاد رکھا جاتا ہے یا جیسا کہ بعض مسلمانوں میں شراب خوری کا موجود ہونا۔ اسلام ان سب باتوں سے بیزار ہے

اس قدر بحث سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ جس قدر ذرایع انسانوں کو غلام بنانیکے اسوقت مروج تھے ان سب کو اسلام نے روکدیا۔ اب صرف قیدیان جنگ کے متعلق کچھ کہنا باقی ہے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسلام کے جنگوں کا یہ منشا ہرگز نہ تھا کہ لوگوں کو غلام بنایا جاوے نہیں بلکہ اسلام کو جنگ ایک مجبوری کی حالت میں اختیار کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ اسکے جنگ صرف دفاعی تھے۔ یا ابتدائی خلفا کے زمانے میں بعض جنگ مذہبی آزادی کو قایم کرنیکے لیے کیے گئے۔ مکّہ میں تیرہ سال تک مسلمانوں کو پاؤں کے نیچے روندا گیا اور وہ جگہ بہ جگہ پناہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر کار مدینہ منورہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ مگر انکے خونخوار دشمنوں نے انکو اسجگہ بھی امن سے بیٹھنے نہ دیا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تند ہو کر اب انہوں نے اسلام کو بالکل نیست و نابود کرنیکے لیے تلوار ہاتھ میں لی۔ ان حالات کے باعث مسلمانوں کے لیے ضروری ہوا کہ اپنی حفاظت کے لیے بالمقابل جنگ کے لیے نکلیں۔ چنانچہ پہلی مٹ بھیڑ طرفین کی مقام بدر پر ہوئی جو مدینہ سے تین دن کا سفر ہے جمعیت کا یہ حال تھا کہ ایک مسلمان کے لیے تین کافر موجود تھے۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ مسلمانوں میں بہت سے نوعمر ناتجربہ کار نوجوان تھے اور قریش کا لشکر بڑے آزمودہ اور تجربہ کار جنگی جوانوں کا تھا۔ جو ہر طرح سے ہتھیاروں سے مسلح تھے اس ظاہر فرق کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو ان دو باتوں سے چارہ نہ تھا کہ یا تو وہ انکے ساتھ جنگ کریں اور یا اپنی جانوں کو انکے حوالے کرکے قتل ہونا پسند کریں اس مجبوری کی حالت میں یہ پہلا جنگ ہوا۔

مگر اللہ تعالے نے اپنے وعدہ کے مطابق دشمن کی سب طاقتوں کو پامال کر کے مسلمانوں کو فتح دی اس میں کوئی ستر کے قریب عماید قریش مارے گئے اور قریباً ستر قید میں آئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب قیدیان جنگ مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہ قیدی معمولی جنگ کے قیدیوں کی طرح نہ تھے جنکا قصور سوائے اسکے کچھ نہ ہو کہ وہ شریک جنگ ہوئے ہوں۔ نہ ہی صرف اسیقدر انکا قصور تھا کہ وہ مسلمانوں پر چڑھکر اسلیے آئے تھے کہ انکو ہلاک کر ڈالیں اور انکا نام ونشان مٹادیں بلکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں پر شدید ظلم اور بیرحمیاں کی تھیں اور بہتوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا کر ہلاک کیا تھا۔ دنیا میں کوئی عدالت نہیں جو یہ فتوے نہ دے کہ وہ سب کے سب قابل قتل تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کا یہی خیال تھا اور انہوں نے یہی رائے پیش کی تھی کہ یہ سب قابل قتل ہیں اور انکو قتل کرنا چاہیئے مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ کی رائے یہ تھی کہ انکو فدیہ لیکر چھوڑ دینا چاہیئے اور اسی کے مطابق اس موقعہ پر عمل بھی ہوا یعنی سب فدیہ لیکر چھوڑ دیئے گئے۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نظیر قایم ہوئی۔ اور اگرچہ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر کی رائے پر عمل کیا جاتا تو بہتر تھا کیونکہ آیندہ بہت سے فساد جو انہی لوگوں نے دوبارہ اٹھائے رک جاتے مگر جو عملدرآمد ہوا وہ یہی تھا کہ سب قیدیان جنگ رہا کر دیئے گئے۔ مگر انکے غلام بنانیکے متعلق نہ کسی نے رائے ہی دی اور نہ کوئی ایسی تجویز ہی ہوئی۔

ابھی تک قرآن کریم کا وہ حکم نازل نہ ہوا تھا جس میں قیدیان جنگ کا بالخصوص ذکر ہے اور جسکو میں پہلے کسی دوسرے موقعہ پر نقل بھی کر چکا ہوں جو ان الفاظ میں ہے کہ امامنا بعد واما فداء یعنی جب جنگ ہولے تو جنکو تمنے اسیر کیا ہے انسے یہ سلوک ہونا چاہیئے کہ یا تو انکو احسان رکھکر چھوڑ دو اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالے نے قیدیان جنگ کے متعلق ایک عام حکم دیا ہے جسپر اسلامی دنیا کو ہمیشہ کیلیے کاربند ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم یہ نہیں فرماتا جیسا کہ اسکے حق کے چھپانیوالے دشمن کہا کرتے ہیں کہ تم سب قیدیان جنگ کو فی الفور غلام بنالو بلکہ اسکی پاک تعلیم یہ ہے کہ انکو چھوڑ دو یا احسان رکھکر اور یا فدیہ لیکر۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس اعلے درجہ کے قانون کو جو اُسوقت کے مروج قانون کے بالکل خلاف ہے کوئی شخص بُرا کہہ سکے یا اسکے متعلق یہ کہہ سکے کہ یہ اب قابل عملدرآمد نہیں وحی الہی نے جسقدر قوانین باندھے ہیں وہ ہر زمانے میں اور ہر ملک میں قابل عملدرآمد ہیں اور متعصب سے متعصب دشمن بھی انپر حملہ نہیں کر سکتا۔ اب معترضین پر لازم ہے کہ وہ اسکے خلاف کوئی اور قانون جس میں بالخصوص قیدیان جنگ کا ذکر ہو قرآن کریم سے نکالکر دکھائیں یہی سچا قانون اسلام نے سکھایا ہے اور اس سے بہتر کوئی اور قانون تجویز نہیں ہو سکتا۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ کے بعض حالات کی رو سے اسلام کو کچھ اور قسم کی مشکلات درپیش تھیں جو مقامی اور عارضی تھیں اور اسلیے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکا علاج بھی مقامی اور عارضی ہی کیا۔ قرآن کریم

کی تعلیم یہ تھی کہ قیدیان جنگ کو یا بطور احسان چھوڑ دو اور یا کچھ فدیہ لیکر کیونکہ ہر صورت میں بطور احسان ہی انکو چھوڑ دینا مصلحت ملکی کا تقاضا نہ تھا۔ مگر اسجگہ مشکل یہ تھی کہ بعض اوقات مفتوح قوم یا مفتوح ملک اپنے قیدیونکی پروا نہ کرکے فدیہ ادا نہ کرتے۔ یہ اسلام کیلیے ایک بڑی مجبوری تھی کیونکہ اگر کل کے کل احسان رکھکر ہی چھوڑا جاتا تو جو مشکلات اسلام کی راہ میں تھیں انکا کبھی خاتمہ نہ ہوتا۔ یہ ایک عارضی ضرورت پیش آگئی تھی اور اسکا عارضی علاج اسلام نے اسی ملک اور اسی زمانہ کے مطابق حال کیا ایسے قیدیوں کو بجائے گورنمنٹ پر بوجھ ڈالنے کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا جنکا یہ فرض تھا کہ انکو ایسی حالت میں رکھیں جس حالت میں وہ آپ رہتے تھے۔ یہ تو کوئی مخالف بھی نہیں کہیگا کہ وہ اپنی آزادی کو کھو نہ چکے تھے کیونکہ آج کل بھی اسیران جنگ کی آزادی تو چھین لیجاتی ہے۔ حالانکہ لڑائیاں بھی اس قسم کی مجبوری کی نہیں جیسی اسلام کو پیش آئی تھیں۔ مگر آزادی لینے کے سوا مسلمان اوران اسیران جنگ کو کوئی تکلیف نہ دیتے تھے۔ انکو باہر کھیتوں میں مزدوروں کی طرح کام کرنے نہ بھیجا جاتا تھا جس صورت میں کہ انکے آقا گھر میں آرام کر رہے ہوں اور نہ ہی طاقت سے زیادہ انسے کام لیا جاتا تھا بلکہ ان رواجوں کو جو قدیم سوسائٹی میں مروج چلے آتے تھے اسلام نے بکلی موقوف کر دیا تھا۔ ہاں اس میں بھی شک نہیں کہ انکو بیکار چھوڑکر نکمے بھی نہیں بنایا جاتا تھا۔ بلکہ کچھ کام بھی انکو کرنا ہوتا تھا۔ پر وہ دوسرے گھر کے لوگونکی طرح ہی ہوتے تھے اور اپنونکا سا ہی انسے سلوک بھی ہوتا تھا۔ اور یہ اختیار انکو ہر وقت حاصل تھا کہ فدیہ دیکر آزادی حاصل کرلیں +

ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ اصلاح جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شروع کی وہ تدریجی طور پر ترقی کرنیوالی اصلاح تھی اسنے ایک ایک کرکے تمام بدیونکو انسانی سوسائٹی سے دور کیا۔ یہانتک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیوی زندگی کے منقطع ہونیسے پہلے اس اصلاح کی ہر پہلو سے تکمیل ہوگئی۔ چونکہ آپ ہر ایک معاملہ میں اللہ تعالے کی وحی سے ہی کام کرتے تھے اسلیے آپ کسی رواج یا کسی بات کو بدلاتے نہ تھے جبتک وحی الہی کے ذریعہ آپکو حکم نہ پہونچے۔ چنانچہ قرآن شریف اور حدیث کے پڑھنے سے یہ بات صاف روشن ہے۔ اب جیسا کہ میں پہلے دکھا چکا ہوں غلامی کے کل دیگر ذرایع کو تو اسلام نے ابتدا میں ہی روک دیا تھا مگر اسیران جنگ کے متعلق جو حکم خصوصیت سے نازل ہوا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اخیری حصہ میں نازل ہوا۔ یہ حکم سورۃ محمد میں ہے اور یہ سورۃ فتح مکہ کے قریب قریب نازل ہوئی۔ اب اس سے پہلے عام رواج کل قدیم اقوام کے اندر اسیران جنگ کے متعلق یہ تھا۔ کہ وہ کل کے کل ہلاک کر دیئے جاتے تھے یا غلام بنا لیے جاتے تھے پس اگر وحی الہی کے نازل ہونیسے پہلے ہمارے نبی کریم اس مسلم رواج پر عمل بھی کرتے تو وہ عین حق پر ہوتے مگر آپنے اسوقت بھی عموماً بڑی ہی نرمی سے کام لیا۔ اساری بدر کے متعلق میں دکھا چکا ہوں کہ کس طرح سب کے سب فدیہ لیکر آزاد کر دیے گئے۔ حالانکہ انہی لوگوں نے

پھر جنگوں میں مسلمانوں کو طرح طرح کے دکھ دیئے انیس جنگوں میں سے جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کرنی پڑیں صرف دو میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسیران جنگ کو غلام بنایا گیا۔ اور یہ دونوں موقعے وحی الہی کے نازل ہونیسے پہلے پیش آئے اور ان میں واسطہ بھی یہود سے پڑا۔ ایک موقعہ پر بنی قریظہ سے مدینہ میں اور دوسرے موقعہ پر خیبر کی جنگ میں۔ باقی تمام لڑائیوں کے متعلق یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی اسیر بنائے بھی گئے۔ تو احسان رکھکر یا فدیہ لیکر انکو چھوڑ دیا گیا چنانچہ کئی مثالیں اس کی پائی جاتی ہیں۔ ایک موقعہ پر چھ ہزار قیدی کو بغیر کسی فدیہ کے لینے کے چھوڑ دیا گیا۔ عربوں نے مسلمانوں پر اسقدر ظلم کیے تھے کہ مسلمانوں کو حق پہونچتا تھا کہ جب انپر غالب آویں تو انکو قرار واقعی سزائیں دیں چاہیں قتل کریں اور چاہیں غلام بنائیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے مسلمانوں کو ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا بلکہ جب داؤ لگتا یا بس چلتا تو نہایت بیرحمی سے غریب مسلمانوں کو مار ڈالتے ایک موقعہ پر دھوکہ دیکر ستر صحابیوں کو ان ظالموں نے قتل کر ڈالا۔ حالانکہ کہکر انکو یہ ساتھ لیگئے تھے کہ ہم ان سے دین سیکھنا چاہتے ہیں لیکن جب آخر کار خدا نے محض اپنی تائید اور نصرت سے جو ہمیشہ وہ صادقوں کو عطا کرتا ہے مسلمانوں کو ان ظالموں پر غالب کیا تو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انکے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جسکے وہ مستحق تھے۔ نہ ہی رواج کے مطابق ان سب کو پکڑ پکڑ کر غلام بنایا بلکہ ایک ایسی فراخ حوصلگی اور جوانمردی کے ساتھ جسکی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی جب یہ لوگ قید ہوکر آپکے پاس آتے تو آپ ان کو فدیہ لیکر یا احسان رکھکر چھوڑ دیتے۔

لیکن دو جنگوں میں جو یہود یونسے ہوئیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سلوک اسیران جنگ سے اَور رنگ کا تھا۔ ان میں سے ایک موقعہ تو یہود بنی قریظہ کے ساتھ پیش آیا جنہوں نے دو دفعہ آپکے ساتھ خطرناک طور پر دغا بازی کر کے کل کے کل مسلمانوں کو ہلاک کرنا چاہا۔ انکے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ جو دغا بازی میں شامل تھے انکو قتل کیا کیا گیا اور باقی کو جن میں بچے اور عورتیں تھیں غلام بنایا گیا اگرچہ غلام کا مفہوم اسلام میں قطعاً وہ نہیں جو دنیا کی دوسری قوموں میں تھا اور ہے مگر یہ قصور بھی یہود کا اپنا تھا اور خود اپنے لیے انہوں نے یہ سزا تجویز کی کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو اپنے متعلق منظور نہ کیا۔ بلکہ کہا کہ جو سعد بن معاذ ہمارے حق میں فیصلہ دیں وہ ہمکو قبول ہوگا۔ چنانچہ انہی کے فیصلہ کے مطابق یہ سلوک بنی قریظہ سے ہوا۔ دوسرے موقعہ پر جب خیبر فتح ہوا تو اسوقت جو اسیران جنگ ہاتھ لگے تھے انکو غلام بنایا گیا۔ اگرچہ یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے فدیہ دینا چاہا ہو تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ کیا ہو۔ بلکہ بعض نظیروں سے یہ شہادت ملتی ہے کہ جنکے فدیہ کا کوئی انتظام ہوسکتا تھا انکو فدیہ لیکر آزاد کر دیا گیا۔ علاوہ فدیہ کے ان اسیروں کی آزادی کی اور بہت سی راہیں بھی کھلی تھیں جن کو میں گذشتہ اشاعت میں بیان کرچکا ہوں اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں موقعوں پر اسیروں کو ایسے طور پر غلام بنایا ہوتا کہ وہ

کبھی آزادی حاصل نہ کر سکیں تو ان میں سے کچھ غلام اخیر وقت تک آنحضرتؐ کے پاس یا ابوبکرؓ کے پاس بھی رہنے چاہیئے تھے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان دو نوں کے پاس کوئی غلام نہ تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اسیران جنگ کو بھی جو یہودیوں میں سے تھے جلدی بعد میں آزاد کر دیا گیا تھا +

یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہودیوں کے ساتھ آنحضرتؐ نے سختی کی اور اپنی قوم کے ساتھ نرمی کی۔ عرب امی لوگ تھے اور انکے ہاتھ میں کوئی شریعت نہ تھی جسکی بنا وحی الٰہی پر ہو۔ مگر یہودیوں کے پاس ایسی شریعت تھی پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکی اپنی شریعت کے مطابق انسے سلوک کیا بلکہ اس جگہ بھی نرمی کا پہلو ہی اختیار کیا۔ یہودی شریعت کے مطابق دشمن کو معہ انکے بچوں اور عورتوں کے ہلاک کر ڈالنا چاہیئے (دیکھو استثنا رباب ۱۳۔ ۱۲ سے ۱۸ باب ۲۰۔ آیت ۱۶ و ۱۷۔ گنتی باب ۲۱۔ آیت ۳۔ قاضیوں باب ۱۔ آیت ۱۷ باب ۲۱۔ آیت ۱۰ سے ۱۲۔ یشوع باب ۶ آیت ۲۴۔ اسموائیل باب ۱۵۔ آیت ۳ وغیرہ۔ اسی قانون کی ایک نرم صورت یہ تھی۔ کہ مردوں کو مار ڈالا جاوے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاوے (دیکھو استثنا رباب ۲۰۔ آیت ۱۰ سے ۱۴) اب سوچ لو کہ بنی قریظہ کے ساتھ جو سلوک ہوا اس میں الزام کس پر آتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نہیں کیونکہ آپنے اس قوم کی شرائط کو منظور کر کے سعد بن معاذ کے فیصلے کے مطابق انسے سلوک کیا جسے وہ خود حکم مان چکے تھے۔ نہ ہی سعد بن معاذ پر کوئی الزام عاید ہو سکتا ہے کیونکہ انہوں نے یہودی شریعت کے نہایت نرم پہلو کے مطابق فیصلہ دیا۔ بلکہ اگر کوئی الزام آسکتا ہے تو خود یہودی شریعت پر جس میں اس سے بھی زیادہ سخت قانون موجود ہیں۔ ایسا ہی خیبر کے یہودیوں کے ساتھ بھی انکی اپنی شریعت کے نہایت نرم پہلو کے مطابق عمل کیا گیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ اس معاملہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کیا اعتراض ہے آپنے تو اسی شریعت کے مطابق انسے سلوک کیا جسے یہودی اسوقت تک منسوخ سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور آپکی طبیعت کی نرمی اس سے ظاہر ہے کہ آپنے یہودی شریعت کے نرم سے نرم پہلو کو اختیار کیا۔ بلکہ اگر کچھ سختی اس سلوک میں سمجھی بھی جاوے تو اسکا ازالہ خود اسلامی شریعت سے ہو گیا۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال اور تعلیم سے اپنے سا تھیوں پر یہی نیک اثر ڈالا تھا۔ کہ وہ آہستہ آہستہ تمام غلاموں کو آزاد کرتے جاویں۔ وہ متعصب عیسائی جنہوں نے یہ شیوہ اختیار کر رکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک فعل پر اعتراض کریں اور دنیا کی نظر میں آپکی ذات کو قبیح کر کے دکھائیں تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر دیکھیں کہ ان دونوں موقعوں پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض نہیں آتا بلکہ اگر کوئی اعتراض ہے تو اس کتاب پر جس کی اشاعت وہ خود دنیا میں کر رہے ہیں یہودیوں پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا وجہ چڑھائی نہیں کی بلکہ خود اپنی دغابازیوں سے انہوں نے اپنے آپ کو مجرم بنایا اور اس جرم کی سزا انکو انکی اپنی شریعت کے مطابق دی گئی +

خدا کی شان ہے ان مجرموں کے وکلاء آج وہ لوگ بن رہے ہیں جنہوں نے خود لاکھوں یہودیوں کو بیگناہ قتل کیا اور انپر طرح طرح کے مظالم کیے اور ابتک بھی کر رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت اسلام کے اصول جو قرآن کریم میں مندرج ہیں عام اور وسیع اصول ہیں جو ہر زمانہ اور ہر ملک کی حالت کے مطابق ہیں لیکن اگر کسی حکم کے وحی الہی میں نازل ہونیسے پہلے کوئی کام کیا گیا ہو تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا صریح غلطی ہے کہ یہی اسلام کا قانون ہے ہر ایک امر کے متعلق دیکھنا یہ چاہیئے کہ قرآن کریم اسبارے میں کیا حکم دیتا ہے اور اس حکم کے نزول کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل کیا رہا ہے مثلاً اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں میں بعض مثالیں شراب پینے کی پائی جاتی ہیں مگر ان سے یہ نتیجہ نہیں نکلسکتا کہ اسلام شراب کی اجازت دیتا ہے کیونکہ جیسا کہ مینے اوپر بھی کہا ہے اسلام کی اصلاح تدریجی تھی۔ اور اصل حکم شراب کے متعلق وہ ہے جو قرآن کریم نے اس کی قطعی ممانعت کے بارے میں بیان فرمایا ہے ایسا ہی اسیران جنگ کے متعلق اسلامی شریعت کا حکم جو وحی الہی میں بیان فرمایا گیا ہے وہ فاما منا بعد واما فداء ہے۔

اب اس بحث سے ناظرین یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نے عملی طور پر غلامی کے تمام ذرائع کو روکدیا اور پرانے غلاموں کی تدریجی آزادی کے لیے مختلف احکام نازل فرمائے اسیران جنگ کے متعلق حکم تو وہی تھا جو اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ مگر ایسی مجبوری کی حالتوں میں جب نہ وہ فدیہ دیں اور نہ ہی انکو احسان رکھکر چھوڑنا مصلحت وقت ہو اسوقت کے رواج کے مطابق انسے سلوک کیا جاتا تھا۔ پھر بھی وہ فدیہ دیکر ہر وقت آزادی حاصل کر سکتے تھے اور علاوہ اس کے وہ مختلف راہیں جو اسلام نے غلاموں کی آزادی کیلیے بتائی تھیں وہ سب بھی انکے لیے کھلی تھیں علاوہ ازیں انکے ساتھ غلاموں کا سا سلوک بھی نہ ہوتا تھا یعنی وہ اس قسم کے غلام نہ سمجھے جاتے تھے جیسے دوسری اقوام میں یا زمانہ جاہلیت کے عربوں میں پس جس صورت میں اسلام نے غلامی کی کل راہوں کو روکدیا اور انکی تدریجی آزادی کیلیے کئی راہیں کھولدیں تو کوئی اعتراض اسلام پر باقی نہیں رہتا۔ باقی رہے جنگ اور اسیران جنگ سو یہ کام ابتداءً اسلام نے شروع نہیں کیا بلکہ خود انہی لوگوں نے اول طرح طرح کے دکھ پہونچا کر آخر تلوار ہاتھ میں لیکر اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہا اس مجبوری کی حالت میں مسلمانوں کو بھی اپنی حفاظت کے لیے تلوار اٹھانی پڑی پس یہ لوگ تو خود آزادی کے حق کو کھو چکے تھے مگر انکے ساتھ بھی اسلام کا سلوک نہایت محسنانہ تھا۔ اور باوجود اسکے کہ ان لوگوں نے ہر طرح سے اپنے آپکو قتل اور غلامی کا مستحق بنادیا تھا پھر بھی شریعت اسلام نے انکی آزادی کا ہی حکم دیا۔ صرف استثنائی صورتوں میں بعض وقت جب ان لوگوں نے فدیہ دینے سے بھی انکار کیا تو پھر مسلمانوں کے لیے مجبوری تھی کہ وہ انکو غلام بناتے۔

یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کے پاس کثرت سے غلام تھے

اس کی تردید تو یہی کافی ہے کہ انکے پیشوا اور رہبر کے پاس ایک غلام بھی نہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ قبل از اسلام امراء کے پاس غلاموں کی بڑی بڑی تعداد تھی مگر اسلام لانیکے بعد انہوں نے اپنے پیارے نبی کے نقش قدم پر چلکر کثرت سے غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔ غزوہ احزاب کے متعلق ایک حدیث لکھتے ہوئے امام بخاری علیہ السلام نے اتفاقاً یہ ذکر کیا ہے کہ مہاجرین اور انصار کے پاس کوئی غلام نہ تھا جس سے وہ مزدوری کا کام لے سکتے۔ خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الی الخندق فاذا المہاجرون والانصار یحفرون فی غداۃ باردۃ فلم یکن لہم عبید یعملون ذالک لہم۔ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب خندق کیطرف نکلے تو آپکے صحابہ یعنی مہاجرین اور انصار ٹھنڈی صبح کے وقت خندق کھود رہے تھے اور انکے پاس غلام نہ تھے جو انکے لیے یہ کام کرتے۔ مینے اصابہ کو جس میں صحابہ کے حالات لکھے ہیں اس غرض کیلیے پڑھنا شروع کیا تھا کہ ان میں کس قدر غلام تھے مگر افسوس ہے کہ کم فرصتی کی وجہ سے اس کام کو پورا نہ کر سکا۔ ۲۴۰۰ صحابہ کے مینے حالات پڑھے ان میں ایک بھی غلام کا ذکر نہیں ہاں تیرہ ایسے آدمیوں کا ذکر ہے جو پہلے غلام تھے اور پھر آزاد کر دیے گئے۔ (باقی آیندہ)

اسلام (۴)

بجواب پادری سیلؔ

اس حصہ مضمون میں میں اس کہانی پر بحث کروں گا جس کو عیسائی صاحبان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معاذ اللہ بت پرستی کی طرف عود کرنا یا بت پرستی کے ساتھ صلح کرنیکے نام سے موسوم کرتے ہیں اگرچہ میں نے یہ سلسلہ مضامین سیل کے جواب میں ہی شروع کیا ہے مگر چونکہ سیل کی نسبت میور نے اس قصہ پر زیادہ زور دیا ہے اور جھوٹی دلیلیں دیکر اسے سچا کر کے دکھلانا چاہا ہے تاکہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے پر شکوک پیدا ہوں اس لئے اس بحث میں میور ہی زیادہ تر مد نظر ہوگا۔ میور جس نے اکثر تاریخ کو مد نظر رکھا ہے اس موقعہ پر مذہبی تعصب نے اسے اجازت نہ دی کہ صحیح تاریخ اور معتبر روایات کے مقابل جھوٹے قصوں اور غیر معتبر یا وضعی روایتوں کو کوئی وقعت نہ دیتا۔ محدثین نے جو کوششیں ہر ایک حدیث کے پرکھنے کیلیے کی ہیں اور جس طرح ایک ایک راوی کے

متعلق انہوں نے بالتفصیل اس کی زندگی کے حالات معلوم کیئے ہیں تاکہ اسکا جھوٹا یا سچا یا کمزور ہونا دنیا پر کھل جائے اور اس تحقیقات میں کسی کی رعایت نہیں کی۔ ان سب کی کوششوں اور تنقید کو میور صاحب نے یہ بے بنیاد دعوے کر کے رد کرنا چاہا ہے کہ پچھلے زمانے کے مسلمانوں نے جب یہ محسوس کیا کہ بت پرستی کیطرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کھلے طور پر جھک جانا ایک بڑی شرم کی بات ہے تو انہوں نے کل کے کل قصہ کو ہی رد کر دیا + افسوس ہے کہ پادری صاحب کے اس فقرے میں صداقت کی بو تک بھی نہیں۔ یہ ایک سیاہ جھوٹ ہے کہ مسلمانوں میں سے متقدمین تو اس قصہ کی صداقت کو مانتے چلے آئے تھے مگر متاخرین نے محض اس وجہ سے .... کہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے پر زد پڑتی تھی بغیر کسی تحقیقات کے اسے جھوٹا اور وضعی کہدیا۔ پادری صاحب کا یہ جھوٹ خود اس قصہ کے وضع کرنیوالوں سے کم نہیں +

میور نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ جن لوگوں نے اس قصہ کو سچ مانا ہے وہ ایسے معتبر اور مستند فاضل ہیں کہ ہم انکی کسی روایت کو رد نہیں کر سکتے اور سند کے طور پر واقدی اور طبری کا نام پیش کیا ہے۔ اگر میور کو حق جوئی کا کچھ بھی خیال ہوتا تو جہاں اس نے اپنے دیباچہ لائف میں بڑی تفصیل سے یہ لکھا ہے کہ ہمیں احادیث کو کسقدر وقعت دینی چاہیئے وہ اپنی کتاب میں بھی اس بات کا خیال رکھتا۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض وقت اسنے بہت ہی بے احتیاطی سے کام لیا ہے اور تنقید کے پہلو کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ تعجب ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات لکھنے بیٹھتا ہے اور روایت لینے میں واقدی اور طبری کو امام بخاری مسلم ابو داؤد اور بہت سے محققین پر ترجیح دیتا ہے اور انکی روایت کو موخر الذکر ائمہ کی روایت سے بہت زیادہ معتبر سمجھتا ہے۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ جہالت کیوجہ سے یہ پہلو اختیار نہیں کیا گیا بلکہ عمداً اس غرض سے کہ جس قصہ سے خواہ وہ سچا ہو اور خواہ جھوٹا کوئی زد خاتم النبیین کی نبوت پر پڑ سکتی ہے۔ اس قصہ کو بغیر تحقیق کے صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ واقدی ایسا شخص نہیں جسکے حالات سے میور بے خبر رہا ہو۔ اب دیکھئے کہ محققین نے اسکو کس پایہ کا معتبر سمجھا ہے۔ میزان الاعتدال میں واقدی کے حالات کے نیچے لکھا ہے کہ ابن ماجہ تو اسکا نام بھی نہیں لیتا۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں وہ کذاب ہے۔ ابن معین کہتے ہیں وہ ثقہ نہیں۔ بخاری اور ابو حاتم اسے متروک قرار دیتے ہیں اور ابو حاتم اور نسائی اسکو حدیث کے وضع کرنیوالا بتاتے ہیں۔ دار قطنی کے الفاظ اسکے متعلق یہ ہیں کہ اس میں ضعف پایا جاتا ہے اسکے بعد کچھ اور ذکر کر کے پھر آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے۔ واستقر الاجماع علی وہن الواقدی۔ اب اس شخص کی روایت کو سچا مانکر میور نے تمام مستند علما اور محدثین کی تحقیقات کو رد کر دیا ہے کیا ہی تاریخدانی ہے جسکے دعوے پر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ طبری کے متعلق میں پہلے بھی یہ ثابت کر چکا ہوں کہ وہ محدثین میں سے نہیں اور نہ اس حد تک اس نے تحقیقات کی ہے

جس حد تک بخاری یا مسلم یا دوسرے محققین نے کی ہے جنہوں نے ایک ایک روایت کی صحت کو پرکھنے کیلیے دشوار گذار سفر اختیار کیے اور ہر طرح کی مصیبتیں جھیلیں مگر اسی ایک ہی غرض کو مدنظر رکھا کہ جہانتک ممکن ہو کوئی غلط اور وضعی روایت انکے ذریعہ رواج نہ پاجائے۔ خود میور نے بھی دوسری جگہ اقرار کیا ہے کہ طبری نے وضعی حدیثیں اپنی کتاب میں درج کی ہیں اور پھر لکھا ہے کہ اس نے بے سوچے سمجھے اور صحت کو پرکھنے کے بغیر احادیث کو لے لیا ہے۔ (دیکھو کتاب میور کی لایف آف محمد فٹ نوٹ صفحہ ۴۹)۔

یہ دو یعنی طبری اور واقدی تو اس قصہ کی صحت کو قبول کرتے ہیں اب انکے برخلاف وہ محققین ہیں جن کو میور اسلیئے رد کرتا ہے کہ انہوں نے اس قصہ کو رد کیا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں آیت وما ارسلنا الخ کی تفسیر کے نیچے اس قصہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جن لوگوں نے اس قصہ کو رد کیا ہے وہ علماء اجلاء ہیں جو مضبوط اور کمزور کلام میں فرق کر سکتے ہیں اور انہوں نے اسکے متعلق کامل اور وسیع تحقیقات کی ہے..... انکی تعداد بھی ان لوگوں سے زیادہ ہے جو اس قصہ کی صحت کو قبول کرتے ہیں اور انکے درمیان مؤخرالذکر کی نسبت بہت بڑے بڑے فاضل اور محقق ہیں جس جس طریق پر اس حدیث کو چلایا گیا ہے انہوں نے ہر ایک طریق کے تمام راویوں کے متعلق اعلیٰ تحقیقات کی اور اس حدیث کے راویوں کو ناقابل اعتبار پایا۔" پھر اسی تفسیر میں آگے چلکر لکھا ہے کہ اگر اس قصہ میں کچھ بھی صحت ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا کہ صحاح ستہ میں اسکا نام ونشان بھی نہ پایا جاتا باوجودیکہ یہ ایک عجیب کہانی تھی واقعی یہ تعجب کی بات ہے کہ یہ تمام محدثین نہ صرف اس قصہ کو بیان ہی نہیں کرتے بلکہ اسکے برخلاف ایک اور حدیث بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں بیان کی گئی ہے جو اس قصہ کو مردود ٹھہراتی ہے۔ ان تمام معتبر کتابوں میں صرف یہ حدیث بیان کی گئی ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ والنجم پڑھی تو اسکے اخیر پر آپنے سجدہ کیا اور آپکے ساتھ تمام حاضرین نے جن میں مشرک بھی تھے سجدہ کیا۔ مگر مشرکو نکے سجدہ کرنیسے یہ نتیجہ نکالنا کہ ضرور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی بتوں کی تعریف کی ہوگی محض حماقت ہے +

میور نے یہ دعوے کیا ہے کہ متقدمین اس قصہ کو صحیح مانتے تھے اور متاخرین نے اس سے صرف اسوجہ پر انکار کر دیا ہے کہ اس سے انکے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ ہوتا تھا مگر چونکہ اسنے تمام صرف واقدی اور طبری کا لیا ہے اسلیئے غالبًا اسکی مراد متقدمین سے یہی لوگ ہیں۔ واقدی ایکسو بانوے ہجری میں پیدا ہوا اور دو سو ستر میں فوت ہوا۔ اور طبری ۲۲۴ ہجری میں پیدا ہوا اور ۳۱۰ میں فوت ہوا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ انپر خصوصیت سے متقدمین کا لفظ کیونکر اطلاق پا سکتا ہے۔ انکے پیدا ہونیسے مدت پہلے بڑے بڑے محققین اس قصہ کو موضوع قرار دے چکے تھے۔ چنانچہ امام محمد بن اسحاق جو ۱۵۱ ہجری میں فوت ہوئے اور جامع سیرۃ

نبویہ میں جب اس قِصّہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپنے فرمایا کہ یہ زندیقوں نے وضع کیا ہے۔ بحرین میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسی قصہ کی تردید میں انہوں نے ایک مفصل کتاب بھی لکھی۔ پھر اس امت کے تمام محققین سے افضل امام بخاری علیہ السلام ہیں جن کی کتاب کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا گیا ہے اور یہی سچ بھی ہے۔ آپ واقدی سے ایک سال پیچھے پیدا ہوئے اور چودہ سال پہلے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ جسقدر تنقید اور تحقیق امام بخاری نے روایتوں کی صحت اور راویوں کا صدق و کذب پرکھنے کیلیے کی ہے اسکی ہم کوئی نظیر نہیں پاتے اور اسی لیے آپکی کتاب کو اللہ تعالے نے یہ فخر بخشا ہے کہ تمام امت نے اسکی فضیلت کو مان لیا ہوا ہے اب اگر اس حدیث کے متعلق وہ بالکل خاموشی اختیار کرتے تو ممکن تھا کہ یہ کہدیا جاتا کہ یہ حدیث انکو ملی ہی نہیں اور اسلیے اسکی صحت کے پرکھنے کا موقعہ بھی انکو نہیں ملا۔ مگر انہوں نے اس حدیث کے ایک ٹکڑے کو جسکا ماحصل میں اوپر بھی بیان کر چکا ہوں لے لیا ہے اور دوسرے حِصّہ کو جس میں بتونکی تعریف کا جھوٹا قصّہ درج ہے رد کر دیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحقیقات کے بعد اسی نتیجہ پر پہونچے کہ یہ قِصّہ وضعی ہے۔ پانچ مختلف طرق سے آپنے یہ حدیث بیان فرمائی ہے اور کسی طریق میں اس قصہ کا نام نشان نہیں ملتا۔ پھر متقدین میں سے ہی شیخ ابو منصور الماتریدی ہیں جن کو باتفاق علم کلام کے امام تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ ۳۳۲ ہجری میں فوت ہوئے یعنی طبری کی وفات کے چند ہی سال بعد انکا بھی مذہب تھا۔ کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اور زندیقوں نے اسے وضع کر کے عوام کے اعتقاد کو بگاڑنے کیلیے شہرت دیدی ہے۔ ایسا ہی قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اس حدیث کے چلانیوالوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو شبہ سے خالی ہو۔ اور نہ ہی اسکے راویوں میں کوئی ایسا راوی ہے جسکو قطعی طور پر معتبر سمجھا جا سکے۔ ایسا ہی صحاح ستہ نے بھی اس قِصّہ کو رد کیا ہے اور میور کا یہ بیان کہ یوں ہی حملہ کو دور کرنیکے لیے اس قصہ کو بعض لوگوں نے وضعی کہدیا ہے۔ ایک جھوٹ کی تائید میں ایک دوسرا جھوٹ ہے ورنہ جن لوگوں نے اسکی تردید کی ہے انہوں نے بجائے خود تحقیقات کر کے تردید کی ہے وہ کسی کا لحاظ کرنیوالے نہ تھے۔ بلکہ ایک ایک راوی کے صدق و کذب کو کھولکر بیان کیا ہے اور تحقیقات کو اس حد تک پہونچایا ہے جو تحقیقات کی آخری حد ہے۔ انکی غرض تو صرف یہ تھی کہ صحیح حدیثیں وضعی احادیث سے الگ ہو جاویں انکو نہ کسی آدمی سے غرض تھی نہ کسی الزام سے اور نہ کسی معجزہ سے +

اب میں یہ ثابت کرونگا کہ خود اس قِصّہ کے الفاظ سے اسکا وضعی ہونا ثابت ہوتا ہے اس غرض کیلیے پہلے میں اس قِصّہ کو طبری سے نقل کرتا ہوں اصل عبارت کا ترجمہ اس غرض کیلیے کافی ہوگا قصہ یوں چلتا ہے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی بیزاری اور نفرت کو دیکھا اور جو کچھ آپ خدا کیطرف

لائے تھے آپکی قوم کی اس سے بما عدت آپ پر گراں گذرنے لگی تو آپنے اپنے دل میں یہ خواہش کی کہ اللہ تعالے کوئی ایسا امر نازل کرے جو آپ کے اور آپکی قوم کے درمیان مقاربت کا موجب ہو اور آپکو اپنی قوم کی محبت اور انکے ایمان کیلیے آپکی حرص کے ساتھ یہ بات بہت خوش لگتی تھی کہ انکی طرف سے جسقدر سختی تھی اس میں کچھ نرمی آجائے۔ یہانتک کہ آپنے اپنے اندر اس بات کو سوچا اور اسکی خواہش کی اور اسے اچھا سمجھا۔ پس اللہ تعالے نے آپ پر یہ کلام نازل فرمایا۔ والنجم اذا ھوی ما ضل صاحبکم وما غوی وما ینطق عن الھوی۔ (یعنی سورہ نجم) پھر جب آپ اس سورۃ کو پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہونچے افرایتم اللٰت والعزی ومنٰوۃ الثالثۃ الاخری تو شیطان نے آپکی زبان پر یہ کلمے ڈالدیئے۔ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان بلند مرتبہ بتونکی شفاعت قبول کی جاوے گی۔ جب قریش نے یہ بات سنی تو وہ بہت خوش ہوئے .... جب آپنے سورۃ ختم کی تو آپنے سجدہ کیا اور آپکے ساتھ مسلمانوں نے آپکے اتباع امر اور تصدیق کیلیے سجدہ کیا اور مشرکین میں سے جو لوگ قریش وغیرہ سے مسجد میں موجود تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا بسبب اسکے جو سنا تھا انہوں نے اپنے بتوں کا ذکر۔ پس مسجد میں نہ کوئی مومن باقی رہا اور نہ کافر جس نے سجدہ نہ کیا ہو سوائے ولید بن مغیرہ کے جو بہت بوڑھا تھا اور سجدہ کرنیکی طاقت نہ رکھتا تھا پس اس نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں اور ان پر سجدہ کرلیا۔ پھر لوگ مسجد سے پراگندہ ہوگئے اور قریش بھی باہر نکل آئے اور وہ بہت خوش تھے اس بات سے جو انہوں نے اپنے معبودوں کا ذکر سنا تھا۔ اور کہنے لگے بیشک محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بتوں کا نہایت عمدہ الفاظ میں ذکر کیا ہے کیونکہ انکو بلند مرتبہ کہا ہے اور انکی شفاعت کا ذکر کیا ہے۔ اور اس سجدے کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو جو حبش کی زمین میں تھے پہونچی۔ اور یہ مشہور ہوگیا کہ قریش اسلام لے آئے ہیں اس کو سن کر بعض لوگ ان میں سے چل پڑے اور بعض وہیں ٹھہرے رہے اور جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ آپنے کیا کیا آپنے وہ کلام لوگوں کے سامنے پڑھا جو میں خدا کیطرف سے آپکے پاس نہیں لایا اور وہ بات کہی جو خدا نے نہیں کہی پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بہت غمگین ہوئے۔ اور اللہ تعالے سے بہت ڈرے پھر اللہ تعالے نے جو آپکے ساتھ بہت رحیم تھا اور غمخواری کرتا تھا اور آپ پر امر کو ہلکا کرتا تھا اور آپکو خبر دیتا تھا آپ پر وہ کلام نازل کیا جس میں یہ سمجھایا کہ آپسے پہلے بھی کوئی نبی یا رسول ایسا نہیں گذرا کہ جس نے جب خواہش کی اور ایک امر کو پسند کیا تو شیطان نے اسکی خواہش میں القا کیا۔ اور وہ آیت یہ ہے:۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنّٰی القی الشیطٰن فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللہ اٰیاتہ واللہ علیم حکیم ۔ اس طرح خدا تعالے نے اپنے نبی کا غم دور کردیا اور جس بات کا انکو خوف تھا اس سے امن دیدیا اور جو کلمات شیطان نے ڈالدیئے تھے انکو اپنے اس کلام سے منسوخ کردیا۔ الکم الذکر ولہ الانثٰی تلک اذا قسمۃ ضیزی

ان ہی الا اسمار سمیتموہا انتم وآباؤکم...... الی قولہ لمن یشار ویرضیٰ +

اس قِصّہ کے اخیری حصہ میں ایک خاص ترتیب آیات کی ظاہر کی گئی ہے جسکو میں اس قِصّہ کے وضعی ہونیکے لیے کافی دلیل سمجھتا ہوں جس زمانہ کے متعلق یہ قِصّہ بیان کیا جاتا ہے اسکی تعیین کرنا آسان ہے کیونکہ خود اس قِصّہ سے پایا جاتا ہے کہ بار اول جو صحابہ ہجرت کرکے گئے تھے انکی صرف تین ماہ بعد واپسی کا تعلق اس قِصّہ سے ہے اِسلیئے کسی طرح سے اسکا زمانہ بعثت کے پانچویں سال کے بعد نہیں ہوسکتا لیکن وہ آیت جس میں بعض لوگوں کے زعم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ آپ سے پہلے بھی جتنے نبی اور رسول گذرے ہیں انکو معاذ اللہ شیطانی القا ہوئے تھے۔ سورہ حج میں واقع ہے جسکے متعلق بہت سے مفسرین نے مانا ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ راڈویل جس نے قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ کیا ہے اسی خیال کا مؤید ہے۔ اور اسنے بھی سورہ حج کو مدنی سورتوں میں رکھا ہے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ یہ سورۃ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قیام مکہ کے آخری دنوں میں نازل ہوئی۔ یعنے بارھویں یا تیرھویں سال بعثت کے قریب اس بات کو سب محققین نے تسلیم کیا ہے خود میور بھی اس بات کا اقراری ہے کہ یہ آیت اسوقت نازل نہیں ہوئی بلکہ ایک ایسی سورۃ میں واقع ہوئی ہے جسکا نزول بہت مدت بعد ہوا اسی بنا پر خود میور نے اس قصہ کے اخیری حصہ کو وضعی سمجھکر اسکا ذکر بھی اپنی کتاب میں نہیں کیا۔ بلکہ پہلے حصہ قصہ کو بیان کرنیکے بعد صرف ایک فٹ نوٹ میں یہ لکھدیا ہے کہ حدیث سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالے نے سورہ حج کی یہ آیت وما ارسلنا من قبلک الی آخر الآیہ۔ نازل کرکے تسلی دی۔ مگر گذشتہ انبیار کیطرف جو اشارہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بہت پیچھے کسی زمانہ میں نازل ہوئی۔" پھر متن میں ہی پادری صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس حِصّہ کو بکلی قبول کرنا ضروری نہیں جس میں پہلے نبیوں کے حوالہ سے شیطانی القا کا عذر بنایا گیا ہے۔ نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جس حالت میں آنحضرت کے قلب کیحالت کی تشریح سیدھے سادے طور پر ہوسکتی ہے تو ہم خارق عادت واقعات کو اس غرض کے لیئے تلاش کریں۔" میں حیران ہوں کہ ایک شخص ایک طرف تو اسقدر معقولیت سے کام لیتا ہے اور دوسریطرف معقولیت کو خیرباد کہکر محض تعصب سے اس بات پر زور دیتا ہے کہ یہ قصہ ضرور اصلی ہے۔ اب ایک حصہ کے وضعی ہونیکو تو میور نے خود تسلیم کرلیا ہے پھر میں نہیں سمجھتا کہ دوسرے حِصّہ کے وضعی ماننے میں اس کو کونسی مشکلات ہیں بلکہ خود ایک حِصّہ کا وضعی ہونا دوسرے حِصّہ کی صحت کے خلاف بڑی بھاری شہادت ہے۔ اور اسجگہ تو پہلے اور اخیری حصہ کا ایسا باہمی تعلق ہے کہ ایک حصہ کو وضعی مانکر دوسرا اصلی کبھی نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں جسقدر راوی اس قِصّہ کے ہیں ان سب نے کل حدیث کو ہی بیان کیا ہے اور کوئی راوی ایسا نہیں جسنے پہلے حصہ حدیث کو بیان کیا ہو اور دوسرے کو چھوڑ دیا ہو۔ پس جس صورت میں

میور صاحب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ دوسرا حصہ وضعی ہے تو پہلے حصہ کو بھی بہ سبب اس گہرے تعلق کے جو امور متذکرہ بالا کے لحاظ سے ہر دو حصوں میں ہیں وضعی ماننا پڑے گا۔

یہ تو میور صاحب کا اقرار ہے مگر سیل صاحب حسب عادت خود نہ صرف کل حدیث کو ہی اصلی بتاتا ہے بلکہ اس نے ابتدائی عیسائیوں کے نقش قدم پر چلکر ایک اور جزو اس قصہ کے ساتھ اپنی طرف سے بڑھایا ہے جسکا نشان ان راویوں میں مجھے نہیں ملا اور جو اسکی اپنی قوت اختراعی کا نتیجہ ہے اس بات کو بیان کرنیکے بعد کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو اور اپنے صحابہ کو اس آیت سے تسلی دے چکے جس میں بزعم اسکے یہ مذکور ہے کہ پہلے کل نبیوں کو بھی شیطانی القا ہوتے رہے (میں آگے چلکر دکھاؤنگا کہ اس آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے) پادری سیل کہتا ہے کہ "قریش نے اس شیطانی القا کے مسئلے کو تسلیم کرنیسے انکار کیا۔ اور یہ کہا کہ اگر قرآن واقعی خدا کا کلام ہے تو پھر یہ ادل بدل اور نسخ وغیرہ کبھی خدا کیطرف منسوب نہیں ہوسکتا۔ اس آخری الزام کا جواب آنحضرت کے لیے بہت مشکل تھا اور اس مشکل کو دور کرنیکے لیے ایک اور وحی بیان کی گئی واذا بدلنا ایۃ مکان ایۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لایعلمون" (سورہ نحل رکوع ۱۴- آیت ۱۰۱) آگے تو ایک آیت کا جھگڑا ہی تھا کہ سورہ حج کی آیت کیونکر سورہ نجم کے ساتھ جوڑی جاسکتی ہے۔ اب ایک دوسری آیت کو جو سورہ نحل کی آیت ہے جو وہ بھی مکی زندگی کے پچھلے زمانے میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اسی جگہ جوڑنا چاہتے ہیں اس کے جواب کیلیے میور کا حوالہ دیدینا کافی ہے۔ اب اگر یہ نیا جزو جو اس قصہ کے ساتھ سیل صاحب نے ملحق کیا ہے انکی اپنی طبیعت کا تراشا ہوا ہے تو کچھ کہنے کی حاجت ہی نہیں اور اگر انکے پاس کوئی اسکی سند ہے جو مجھے نہیں مل سکی تو اسکا جواب وہی ہے جو سورہ حج کی آیت وما ارسلنا الی آخر الایۃ کے اسجگہ یعنی سورہ نجم کے ساتھ چسپاں کرنیکا جواب ہے۔ علاوہ ازیں اگر تبدیل آیت سے وہ مراد بھی لےلیں جو پادری صاحب لے رہے ہیں تو یہاں تو خدا کی آیتوں کا ذکر ہے کہ ایک کی جگہ دوسری بدلے اور شیطانی القا کا ذکر نہیں جو سورہ نجم کیطرف منسوب کیا جاتا ہے۔

بعض اور امور جو اس قصہ کے وضعی ہونے پر روشنی ڈالتے ہیں مختصراً ذکر کیے جاتے ہیں جسقدر روایتیں اس حدیث کی ہیں ان سب میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ جو خبر مہاجرین حبشہ کو اسکی پہونچی وہ صرف اسقدر تھی۔ کہ قریش مسلمان ہوگئے ہیں۔ حالانکہ اگر اس قصہ کو صحیح مانا جائے تو اس صورت میں چاہیئے تھا کہ حبش میں یہ خبر پہونچتی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی مذمت چھوڑ دی ہے یا انکو بھی خدا کی خدائی میں حصہ دار مان لیا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کسی راوی نے یہ ذکر نہیں کیا بلکہ ہر ایک میں یہی ذکر ہے کہ مہاجرین کو قریش کے سجدہ کرنے اور اسلام لانے کی خبر پہونچی تھی یہانتک کہ واقدی اور طبری کی روایتوں میں بھی یہی ذکر ہے

میور صاحب نے مہاجرین کی واپسی سے یہ نتیجہ نکالا ہے اور اسکو بار بار بیان کر کے اسپر بہت زور دیا ہے کہ اگر اس قصہ میں اصلیت نہ ہوتی تو یہ لوگ کیوں گھر ونکو واپس آتے مگر یہ محض دھوکا بازی ہے مہاجرین کے واپس آنیکے لیے تو وہی خبر کافی تھی جس کا ذکر کل روایتوں میں موجود ہے کہ حبش میں پہونچی یعنی یہ خبر کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور یہ انکے اسلام لانے کی افواہ غالباً انکے سجدہ کے سبب سے پیدا ہوئی کیونکہ تمام صحیح احادیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قریش نے سجدہ ضرور کیا۔ مگر پھر سجدہ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ انکے بتونکی تعریف بھی کی گئی تھی یا ان کی شفاعت کو تسلیم کر لیا گیا تھا اگر ایسا نتیجہ نکلتا ہے تو پادری صاحبان بتلاویں کہ کس منطق کے رو سے۔ ہاں اگر یہ ثابت ہوتا کہ کفار نے سجدہ ابتداے سورت میں اسوقت کیا جب انکے بتونکا ذکر آیا تھا تو بھی یہ نتنک کرنیکی وجہ پیدا ہو سکتی تھی کہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتونکی تعریف ہی کی ہو مگر اسوقت تو وہ دم بخود بیٹھے سنتے رہے اور یہ امر یقینی اور متفق علیہ ہے کہ سجدہ انہوں نے سورۃ کے اخیر پر اسوقت کیا جب آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ نے خدا کی عظمت اور جلال کا ذکر آنے پر اللہ تعالے کے حکم کی فرمانبرداری میں سجدہ کیا اور اسوقت انکے دلوں میں بتونکا کوئی خیال نہ ہو سکتا تھا۔ اسلیے اسبات کو تسلیم کرنیسے کہ مہاجرین حبشہ واپس آئے تھے اور کہ اسکی وجہ کوئی اس قسم کی افواہ تھی کہ قریش نے سجدہ کیا یا مسلمان ہو گئے۔ یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت نے بتونکی تعریف کی ہو۔ بلکہ ایسا نتیجہ ان واقعات سے نکالنا محض حماقت ہے +

میور یہ بھی کہتا ہے کہ یہ غلطی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب کیجاتی ہے کوئی اتفاقیہ غلطی نہ تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ بتونکی رعایت اچانک آپسے ظاہر نہیں ہوئی اور نہ ہی یہ صورت تھی کہ بھولکر منہ سے کوئی کلمات نکل گئے ہوں جنہیں معاً واپس لے لیا گیا ہو۔ قریش کی دشمنی نبی کریم کی جان پر ایک بڑا بھاری بوجھ تھا اور حدیث میں بھی یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ خود بھی اپنے اندر وہی بات سوچ رہے تھے جو شیطان نے (نعوذ باللہ) آپکی زبان پر جاری کر دی۔ نہ ہم یہ مان سکتے ہیں کہ یہ حالت ایک ہی دن تک رہی اور اُسیدن آپنے رعایت کو منسوخ کر دیا۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستی کے ساتھ نبی کریم کی صلح کمل ہو چکی تھی۔ اور یہ ضروری ہے کہ کئی دنوں تک بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ (یعنی مہینوں تک) یہی حالت رہی ہو کیونکہ اس افواہ کو ایک خاص صورت اختیار کر کے حبش تک پہنچنے اور پھر مہاجرین کے دلوں میں یقین پیدا کرنیکے لیے ایک مدت درکار تھی۔" میور نے تو ادر نیت سے یہ لفظ لکھے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس ذریعہ سے اس قصہ کے جھوٹ یا سچ کو آسانی سے پرکھا جا سکتا ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ اگر واقعی بت پرستی کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی رعایت کی تو یہ چند لمحوں یا گھنٹوں کا کام نہ تھا اور اسلیے سب سے اول اسی وجہ پر ہم اس حدیث کو وضعی کہہ سکتے ہیں جس میں یہ قصہ اس رنگ میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ صرف چند گھنٹہ کا کام تھا

پس اس صورت میں بھی قصہ کو تو غلط ماننا پڑے گا مگر یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا ممکن ہے یا نہیں کہ اس قصہ کی تہ میں کوئی ایسا واقعہ بھی ہو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا ہو۔ اگر اسکی کوئی اصلیت ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جن خیالات نے جمع ہو کر آخر کار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ بتوں کی شفاعت کے مسئلے کو مان لیا جاوے۔ وہ خیالات ایک مدت سے آپکے دل میں جمع ہوتے رہے ہونگے۔ کیونکہ اس میں تو شک نہیں ہو سکتا کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اور وعظ کا کام شروع کیا تو سب سے اول پیغام آپ کا یہی تھا کہ بت کچھ چیز نہیں ہیں اور اپنے پرستاروں کو خدا کے عذاب سے بچا نہیں سکتے۔ یہی وعظ آپ ایک عرصہ دراز تک کرتے رہے اور اس تبدیلی خیال کیلیے جو اس قصہ میں بیان کی گئی ہے ضروری تھا کہ پہلے خیالات کے برخلاف دوسرے خیالات بت پرستی کی مدح کے (نعوذ باللہ) آپکے دل میں بہت عرصہ تک آتے رہے ہوں۔ اب میور صاحب یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کی حالتوں کی صحیح اور سچی تصویر پیش کرتا ہے پس اگر اس قسم کے مشرکانہ خیالات نعوذ باللہ کبھی آپکے دل میں آئے تھے اور مدت تک جمے رہے تو ضرور ہے کہ انکا عکس قرآن شریف میں موجود ہو اور اسی تحقیقات پر اس قصہ کے موضوع یا صحیح ہونیکا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ ناظرین کو چاہیے کہ بطور خود ان تمام سور توں کو پڑھیں جو سورہ نجم سے پہلے اور پیچھے نازل ہوئیں اور انکے دل خود یقین سے بھر کر بول اٹھیں گے کہ بتوں کی مدح کا قصہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر بھاری بہتان ہے کیونکہ قرآن کریم کے ایک حرف میں بھی ایسے تبدیل خیال کا نشان موجود نہیں میں نے خود بھی ان سور توں کو پڑھا ہے اور مختصراً میں بیان کرتا ہوں کہ کس طرح شروع سے لیکر اخیر تک ایک ہی رنگ وحی الٰہی نے اختیار کیا ہے اور اسی بات پر زور دیا ہے کہ سب طاقت اور قدرت صرف خدا کے ہاتھ میں ہی ہے اور بت اور دوسرے تمام معبود اور دوسری تمام چیزیں ہیچ ہیں ترتیب سور میں وہی اختیار کرونگا جو راڈویل اپنے ترجمہ قرآن میں کی ہے کیونکہ اس ترتیب سے میور کا اتفاق ہے +

قبل اس کے کہ میں قرآن کریم کے حوالے دوں میں ناظرین کو اسی رسالہ کی گذشتہ اشاعت کے مضمون کیطرف توجہ دلاتا ہوں جہاں میں نے دکھایا تھا کہ کس طرح کفار نے بار بار کوششیں کیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی ترغیبوں سے اور طرح طرح کی دھمکیوں سے راہ حق سے اور بتوں کی مذمت سے پھیریں کس طرح انہوں نے مال و دولت۔ عزت۔ مرتبہ۔ حکومت۔ عورتوں کا لالچ دینا چاہا اور آخر ناکام ہو کر قتل کی دھمکیاں دیں اور بالآخر قتل کے منصوبے کئے اور طرح طرح کی اذیتیں پہونچائیں مگر کیا کبھی ان میں سے کسی ایک بات کا اثر بھی آنحضرت کے قلب پر ہوا۔ یا ایک لمحہ کیلیے کبھی آپنے کفار کے مقابل خاموشی ہی اختیار کی اور بتوں کی مذمت کرنا تو ایک طرف رہا کیا کبھی مذمت کو ہی آپنے چھوڑا۔ نہیں اسوقت جب ابو طالب کے متعلق بھی آپکو یہ یقین ہو گیا کہ

اگر بتوں کی مذمت میں نہ چھوڑونگا تو وہ بھی ساتھ چھوڑ دیگا اس بے سرو سامانی کیوقت میں اور تنہا دشمنوں کے درمیان موجود ہونیکے باوجود یہی الفاظ آپکے مُنہ سے نکلے کہ اگر سورج کو میرے دائیں اور چاند کو بائیں لاکر رکھ دیں تو بھی میں اس بات کو چھوڑ نہیں سکتا اور اس تبلیغ اور وعظ سے کہ بت کچھ چیز نہیں رک نہیں سکتا۔ یہ واقعات جو معتبر احادیث میں موجود ہیں اسیوقت کے قریب قریب آپکو پیش آئے جو سورہ نجم کے نازل ہونیکا وقت بیان کیا جاتا ہے پھر کسقدر ظلم ہے کہ ایک بے بنیاد قصہ کو پکڑ کر تمام تاریخی واقعات کو پھینکدیا جاوے +

اب قرآن کریم کیطرف رجوع کرو۔ راڈویل کی ترتیب کے مطابق سورہ نجم سے پہلے الواقعہ اور اس سے پہلے سورہ طور نازل ہوئی اس سورۃ کی انتالیسویں آیت پڑھو۔ جہاں قرآن شریف انہی بت پرستوں کا ذکر کرتا ہوا فرماتا ہے۔ ام لہ البنات ولکم البنون۔ کیا خدا کیلیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے۔ اور سورہ نجم میں ومنٰوۃ الثالثۃ الاخریٰ کے بعد کی آیت یوں ہے الکم الذکر ولہ الانثیٰ۔ جسکے وہی معنے ہیں جو سورہ طور کی آیت مذکورہ بالا کے بیان ہوئے۔ اب قصۂ زیر بحث میں یہ کہا گیا ہے کہ سورہ نجم کی یہ آیت الکم الذکر ولہ الانثیٰ پڑھنے کی بجائے آنحضرت نے کوئی اور کلمات پڑھ دیئے۔ جن میں نعوذ باللہ بتوں کی شفاعت کو تسلیم کیا اور انکی مدح کی۔ جس سے غرض آپکی یہ تھی کہ کفار خوش ہو جاویں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ جب پہلے سے قرآن کریم میں اسی آیت کے ہم معنی دوسری آیت موجود ہے اور تھی تو دوسری آیت کو بدلا کر آنحضرت کفار کو کس طرح خوش کر سکتے تھے۔ کفار قریش ایسے بیوقوف نہ تھے کہ صرف ایک جگہ آیت کے بدلجانیسے خوش ہو جاتے حالانکہ اس سے پہلی نازل شدہ آیتوں میں ویسے ہی یا اس سے بھی سخت تر الفاظ بتونکی مذمت کے موجود تھے ہاں اس صورت میں انکو شاید اطمینان ہو جاتا جب اسکے ساتھ ہی ایک اور آیت بھی نازل ہو جاتی کہ پہلی تمام آئیتیں جن میں بتوں کی مذمت پائی جاتی ہے وہ سب آج سے منسوخ کیجاتی ہیں کیونکہ کفار بخوبی باخبر تھے کہ قرآن کریم میں بتونکی کیسی کیسی مذمت بھری پڑی ہے بلکہ اسی کی وہ بار بار شکایت بھی کرتے تھے اور انکو یہ بھی علم تھا کہ کوئی آیت بتونکی مذمت کی منسوخ نہیں ہو چکی پس اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جاوے کہ سورہ نجم کی آیت بدلدی گئی تو اس تبدیلی سے کفار کیونکر خوش ہو سکتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ آیت اس امر پر شاہد ناطق ہے کہ سورہ نجم سے پہلے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ تعالےٰ کی وہی سچی عظمت اور بتونکی بے حقیقتی بھری ہوئی تھی۔ پھر اس آیت سے تین آئیتیں آگے چلکر بت پرستی کی ان الفاظ میں تردید کی گئی ہے۔ ام لھم الٰہ غیر اللہ سبحٰن اللہ عما یشرکون۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور بھی انکا معبود ہے پاک اور برتر ہے اللہ کی ذات اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔ اور پھر اور آگے چلکر فرماتا ہے "اے پیغمبر تم انکو انکی اپنی حالت پر چھوڑ دو یہانتک کہ وہ عذاب کا دن انپر آوے۔ جسکی دہشت سے وہ بیہوش کیئے جاوینگے۔"

مکی

اُس دن اِن کے مکرو فریب کچھ بھی انکے کام نہ آوینگے اور نہ ہی انکے بتوں سے کوئی مدد انکو ملے گی"۔ کیا ان الفاظ کے ہوتے ہوئے پادریصاحبان یہ کہنے کی جرات کر سکتے ہیں کہ آپکے دل میں اسوقت بت پرستی کی عظمت کے خیالات جاگزیں ہو رہے تھے۔

سورہ طور سے پیچھے چلیں تو الذریٰت ہے اسجگہ بھی بتونکی اسی بے حقیقتی پر زور دیا گیا ہے۔ "اور آسمان کو دیکھو ہم ہی نے اپنے ہاتھوں سے اسے بلند کیا اور ہم بڑی وسیع قدرت والے ہیں اور زمین ہم ہی نے اسکو بچھایا ہم کیسے اچھے بچھانیوالے ہیں۔ پس لے لوگو تم اللہ ہی کیطرف بھاگو اور اسی کی پناہ لو میں اسکی طرفسے تمکو اسکے عذاب سے کھلا کھلا ڈرانیوالا ہوں۔ اور خدا کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ۔ میں اسکی طرفسے تمکو اسکے عذاب سے کھلا کھلا ڈرانیوالا ہوں"۔ افسوس ہے کہ پادریصاحبان اپنے ذہن سے ہی عجیب عجیب باتیں اسلام کی تحقیر کیلیے گھڑتے رہتے ہیں اور واقعات کی مطلق پروا نہیں کرتے۔ ان دو سورتوں میں کونسی شہادت ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں بتونکی عظمت کا خیال آنا شروع ہو گیا تھا۔ اگر اس سے بھی اور پیچھے چلے جائیں تو بتوں اور بت پرستی سے وہی بیزاری اور اللہ تعالےٰ پر وہی کامل اور مضبوط ایمان آنحضرت کا نظر آتا ہے۔ قل یایہا الکفرون لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عٰبدون ما اعبد و لا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عٰبدون ما اعبد لکم دینکم ولی دین+ اور پھر اس بت پرستی سے بیزاری کے بعد خدا کی توحید کامل کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ قل ہو اللہ احد۔ اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد+

پھر میور نے یہ لکھا ہے کہ سورہ والنجم کے بعد بھی مدت تک یہ خیالات آنحضرت کے دل میں رہے اور آخر آہستہ آہستہ دور ہوئے۔ اسکے لیے چند سورتیں بعد کی لے لو۔ راڈویل نے اسکے بعد المعارج۔ الرحمن۔ القمر اور والصّٰفّٰت کو رکھا ہے۔ اور جو شخص چاہے ان سورتونکو پڑھکر دیکھ سکتا ہے کہ آنحضرت کا قلب ہمیشہ ان خیالات سے پاک رہا ہے جو آپکی طرف اس قصہ میں منسوب کیے گئے ہیں۔ فذرہم یخوضوا ویلعبوا حتّٰی یلٰقوا یومہم الذی یوعدون۔ اور بل الساعۃ موعدہم والساعۃ ادہیٰ وامر۔ اور ولقد اہلکنا اشیاعکم فہل من مدکر۔ اور انا کذٰلک نفعل بالمجرمین انہم کانوا اذا قیل لہم لا الٰہ الا اللہ یستکبرون۔ ویقولون ائنا لتارکوا اٰلہتنا لشاعر مجنون۔ اور ایسا ہی اور بہت سی آیات ہیں جنسے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ دوسری طرف ہمیں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا نہ سورۃ والنجم سے پہلے اور نہ بعد جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ معاذ اللہ آپ بت پرستی کے قایل ہونے شروع ہو گئے تھے۔ نہ ہی صرف اس ایک قصہ کو الگ چھوڑ کر حدیث میں کوئی ایسا لفظ پایا جاتا ہے۔ اور وہ روایت بھی جسکا موضوع ہونا میں مختلف وجوہ سے ثابت کر چکا ہوں میور کے

قول کی مصدق نہیں۔

مگر سب سے بڑی شہادت اس قصہ کے موضوع ہونیکی خود اسی سورہ والنجم سے ہی ملتی ہے۔ ان دو فقرونکو تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن ترتضی۔ ہم بھی شیطانی ہی کہتے ہیں کیونکہ یہ کسی مفتری کے بنائے ہوئے ہیں اور میں یہ دکھاؤنگا کہ اس سورت کے باقی مطالب کو مدنظر رکھکر کوئی شخص یہ خیال نہیں کرسکتا کہ یہ دو فقرے کبھی اس سورت کا جزو بھی ہوسکتے تھے۔ یا یہ کہ باقی تمام آیات کے ہوتے ہوئے کفار ان دو فقروں سے خوش ہوسکتے تھے۔ چنانچہ ان آیات پر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ دو حالتوں سے چارہ نہیں۔ یا یہ کہ یہ فقرے کبھی سورہ نجم میں داخل ہی نہیں ہوئے اور یا اگر یہ کبھی داخل تھے تو اسوقت یہ سورت انہیں دو فقرونکی بنی ہوئی تھی۔ کیونکہ باقی تمام آیات کا مضمون ان فقرونکے مضمون کی تردید کرتا ہے۔ میں نے اس سورت کو بار بار پڑھا ہے اور میں حیران ہوں کہ باقی آیات کے ہوتے ہوئے یہ فقرے اس سورت میں کیونکر رہ سکتے تھے اور چونکہ یہ یقینی امر ہے کہ کل کی کل سورت کفار کے روبرو پڑھی گئی تھی پس ہمارے مطلب کے لیے صرف اسیقدر کافی ہوگا کہ اگر ایک آیت اس سورت کی بھی ان فقرونکے مضمون کی صریح الفاظ میں تردید کرتی ہو تو یہ نتیجہ قطعی ہوگا کہ یہ دو فقرے کسیوقت بھی اس سورت میں داخل نہ تھے +

اول میں سیل صاحب کے اعتراض کو ہی لیتا ہوں وہ کہتا ہے کہ پہلے کفار کے روبرو یہ دو فقرے ہی پڑھے گئے تھے تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن ترتضی۔ مگر بعد میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو نکالکر انکی بجائے یہ آیت ڈالدی۔ الکم الذکر ولہ الانثی۔ وہ گویا اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ سورت کی باقی تمام آیات اسی طرح رہیں اور صرف اسی ایک آیت میں ہی تبدیلی ہوئی۔ اسکی بحث کے روسے یہ ماننا پڑتا ہے کہ کفار کے روبرو آنحضرت نے سورہ نجم کے اس حصہ کو یوں پڑھا۔ افرءیتم اللت والعزی ومنوۃ الثالثۃ الاخری۔ تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن ترتضی۔ ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم وآباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطٰن ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ولقد جاءھم من ربھم الھدیٰ ام للانسان ما تمنیٰ فللہ الاخرۃ والاولی۔ وکم من ملک فی السمٰوٰت لاتغنی شفاعتھم شیئا الا من بعد ان یاذن اللہ لمن یشاء ویرضی + جسکے معنے یہ ہونگے۔ بھلا تمنے لات اور عزی اور اس تیسرے بت منات کے حال پر بھی نظر کی یہ بلند مرتبہ ہنس ہیں جنکی شفاعت پسندیدہ ہے یہ تو نرے نام ہی نام ہیں جو تمنے اور تمہارے بڑوں نے اپنی طرفسے رکھ لیے ہیں خدا نے انکے معبود ہونیکی کوئی سند نہیں اتاری۔ یہ لوگ (یعنی مخاطب قریش) اپنی اٹکلوں اور نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔ حالانکہ پروردگار کیطرفسے انکے پاس ہدایت بھی آچکی ہے۔ کیا انسان کو وہ بات ملجاتی ہے جسکی وہ

خواہش کرتا ہے۔ آخرت اور دنیا تو سب کچھ خدا کے ہاتھ ہی ہے (اور یہ بت تو ایک بالکل بے حقیقت چیز ہیں) کتنے فرشتے آسمانوں میں بھرے پڑے ہیں کہ انکی سفارش بھی کچھ کام نہیں آتی مگر اگر خدا کسی کی نسبت چاہے اور اجازت دے اور پسند فرمائے" سیل کی تردید کی اس سے بڑھکر کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ اور یہ ترجمہ ہی اسکی حماقت اور نادانی کے اظہار کے لیے کافی ہے۔

اس زد سے بچنے کے لیے جو سیل صاحب نے نادانی سے اپنے اوپر وارد کی ہے واضعین قصہ نے یہ بات گھڑی ہے کہ یہ کل کی کل آیات جو میں نے اوپر نقل کی ہیں ان سب کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ کر کل کی بجائے صرف یہی دو فقرے پڑھ دیئے تھے۔ مگر اس سے بھی انکی غرض پوری نہیں ہوئی۔ ہاں اگر یہی کہدیتے کہ ساری سورت ہی نہیں پڑھی تھی اور صرف یہی دو فقرے پڑھے تھے تو انکی بات کچھ بن جاتی۔ اس روایت میں جو اوپر نقل کی گئی ہے یہ کہا گیا ہے کہ دوبارہ لمن یشاء ویرضی تک کلام نازل ہوا جو پہلے نازل نہ ہوا تھا اس بات کو بھی اگر دلیل کی خاطر ہم تسلیم کرلیں تو آگے پھر وہی مشکل ہے کیونکہ پھر صورت آیات کی یہ ہوگی کہ بتوں کی عظمت اور شفاعت کو تسلیم کرنیکے بعد ساتھ ہی یہ الفاظ سنائے گئے ہونگے۔ ان الذین لا یومنون بالآخرۃ لیسمون الملٰئکۃ تسمیۃ الانثٰی ومالھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئًا۔ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہی فرشتوں کو عورتوں کے نام دیتے ہیں۔ اور انکو کوئی بھی علم نہیں بلکہ اٹکلوں کے پیچھے چلتے ہیں اور اٹکل حق کے سامنے کچھ بھی کارآمد نہیں۔ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ یہ جو عرب کی دیویاں تھیں انکو یہ لوگ ملائکہ کے مظہر کہا کرتے تھے کیونکہ وہ ملائکہ کو بھی مونث ہی سمجھتے تھے اور خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ گویا اس جگہ پھر بتوں کی شفاعت اور انکی عظمت کی تردید ہے۔ کیونکہ اس امر کو جیسا کہ اس سے پہلے بھی ظن کہا گیا ہے یہاں پھر ظن ہی کہا گیا ہے یعنی کفار کو واقعی تو کوئی علم نہیں کہ انکی دیویاں ملائکہ کی مظہر ہیں کہ نہیں صرف ایک بات انہوں نے اپنے دل میں فرض کر رکھی ہے مگر اس اٹکل سے وہ بچ نہیں سکتے کیونکہ خدا کی توحید تو حق امر ہے اور بتوں کو ساتھ شریک یا شفیع ٹھہرانا محض اٹکل بازی نہ یہ بات ہی حق ہے اور نہ اسکی انکے پاس کوئی دلیل ہی ہے پھر آگے فرمایا فاعرض عن من تولّٰی عن ذکرنا یعنی جو شخص ہماری یاد سے روگردانی کرتا ہے تو بھی اس سے اعراض کر۔ اور اسکی طرف توجہ بھی نہ کر۔ اب جیسا کہ کہا جاتا ہے اگر کفار واقعی آنحضرت کو مان چکے تھے تو یہاں خدا کس سے اعراض کرنیکا حکم دیتا ہے۔ اور جب بتوں کی عظمت کو مان لیا گیا تو وہ کون شخص عرب میں باقی رہ گیا تھا جسکی نسبت خدا فرماتا ہے کہ وہ ہمارے ذکر سے منہ پھیرتا ہے کیونکہ خدا کو تو وہ لوگ پہلے بھی مانتے تھے۔ صرف نقص یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ بت ہماری شفاعت کرینگے اور وہ خدا کے نزدیک بلند مرتبہ رکھتے ہیں جب ان دونوں باتوں کو آنحضرت نے تسلیم کرلیا تو اب

من تولی عن ذکرنا کسکو کہہ رہے تھے اور کفار کیسے احمق تھے کہ وہ وہی الفاظ سن رہے تھے جو آجتک سنتے رہے اور پھر بھی انہوں نے نہ کہا کہ ابھی تو آپ بتونکی شفاعت اور عظمت کو مان چکے ہیں اور اب یہ کیا کہہ رہے ہیں یہ تعجب کا مقام ہے کہ جس عقیدہ کے سبب کفار کو برا کہا جاتا تھا اس عقیدہ کی صحت کو تو نبی کریم تسلیم کریں اور پھر الفاظ وہی۔ اور پھر آگے قرآن شریف فرماتا ہے۔ ان ربک ہو اعلم بمن ضلّ عن سبیلہ و ہو اعلم بمن اھتدی ۔ تیرا پروردگار جانتا ہے کہ اسکی سچی راہ سے بھٹکا ہوا کون ہے اور وہ اسکو بھی جانتا ہے جو راہ راست پر ہے ۔ کیا خوب ۔ ایسا بھٹکا ہوا کون تھا ۔ اور راہ راست پر کون مذہب تو سب ایک ہو چکا تھا کیونکہ کہا تو یہ جاتا ہے کہ آنحضرت بھی اسی راہ کو اختیار کر چکے تھے جسکی آجتک وہ مذمت کرتے رہے تھے ۔

پھر اور آگے چلو ۔ وہی خدا کے واحد کی توحید اور عظمت اور بتونکی بے حقیقتی اور زمین و آسمان کی کسی چیز میں شریک نہ ہونا نظر آتا ہے ۔ ام لم ینبأ بما فی صحف موسیٰ و ابراہیم الذی وفّٰی الا تزر وازرۃ وزر اخری وان لیس للانسان الا ما سعی ۔ کیا اسکو ان باتونکی خبر نہیں پہونچی جو موسے کے صحیفوں میں ہیں ۔ اور نیز ابراہیم کے جنہوں نے کل احکام الٰہی کی پوری فرمانبرداری کی ۔ کہ کوئی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائیگا اور یہ کہ انسان کو د تنا ہی ملیگا جتنی اسنے کوشش کی ،، بت پرست یہ کہتے تھے کہ ہمارے گناہ بتونکی سفارش سے معاف کر دیئے جاوینگے اور اسیکو وہ شفاعت سمجھتے تھے اور یہی دراصل انکی بدکاریونکی جڑ تھی جیسا کہ آجکل عیسائی بھی اسی بات پر زور دیتے ہیں ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انکا بت مسیح ہے ۔ لات اور عزیٰ نہیں ۔ جبتک پہلے یہ عقیدہ کفار کا دور نہ کر دیا جاتا اسوقت تک کوئی امید نہ تھی کہ وہ اصلاح پر آسکیں ۔ اب یہ آیت صاف طور پر بتاتی ہے کہ اسی سورہ نجم میں ہی بتونکی شفاعت کا انکار ہے کیونکہ صاف طور پر کہا گیا ہے کہ انسان کا اپنا عمل ہی کام آویگا اور کسی بت یا مسیح کی سفارش کام نہ آوے گی ۔ اسقدر ظاہر الفاظ کے ہوتے ہوئے یہ کسقدر جرات ہے کہ کہدیا جاوے کہ آنحضرتؐ نے بتونکی شفاعت کو تسلیم کر لیا تھا اور بفرض محال اگر کر بھی لیا تھا تو کفار بھی عجیب احمق تھے کہ وہ اس آیت پر بھی یہ نہ بول اٹھے کہ ابھی تو آپ بتونکی شفاعت کو تسلیم کر آئے ہیں اور ابھی اس سے انکار کرتے ہیں میں تو جوں جوں اس سورت کو پڑھتا ہوں حیران ہی ہوتا ہوں کہ ان لوگوں نے جنہوں نے اس قصہ کی صحت کو تسلیم کیا ہے قرآن شریف پر ایک لمحہ کیلئے بھی غور نہیں کیا ۔ اس سورت کا ایک ایک لفظ بت پرستی اور بتونکی شفاعت کی تردید کر رہا ہے ۔

اب اور آگے چلئے ۔ تو ایک ایک لفظ سے پایا جاتا ہے کہ کل عظمت اور جلال اللہ کیلئے ہی ہے اور دنیا میں ہر ایک کاروبار کا کرنیوالا وہی ہے ۔ بت نہ کسی کو مدد دے سکتے ہیں نہ مالدار کر سکتے ہیں نہ عذاب دے سکتے ہیں نہ عذاب سے بچا سکتے ہیں ۔ اللہ تعالےٰ ہی ان سب کاموں کا کرنیوالا ہے ۔ فرمایا ۔ وان الی

ربک المنتہیٰ وانہ ہو اضحک وابکیٰ وانہ ہو امات واحییٰ وانہ خلق الزوجین الذکر والانثیٰ من نطفۃ اذا تمنیٰ وان علیہ النشاۃ الاخریٰ - وانہ ہو اغنیٰ واقنیٰ وانہ ہو رب الشعریٰ وانہ اہلک عاداً الاولیٰ - وثمودا فما ابقیٰ - وقوم نوح من قبل انہم کانوا ہم اظلم واطغیٰ - والمؤتفکۃ اہویٰ - فغشّٰہا ما غشّٰی - فبای اٰلاء ربک تتماریٰ - ہٰذا نذیر من النذر الاولیٰ ازفت الآزفۃ - لیس لہا من دون اللہ کاشفۃ افمن ہٰذا الحدیث تعجبون - وتضحکون ولا تبکون وانتم سامدون - فاسجدوا للہ واعبدوا + یہ کہ سب امور کا منتہیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے اور خدا ہی ہے جو ہنساتا اور رلاتا ہے - اور خدا ہی ہے جو مارتا اور جلاتا ہے اور خدا ہی ہے جو نطفہ سے جب وہ رحم مادہ میں پہونچایا جاتا ہے نر و مادہ دو جوڑے پیدا کرتا ہے اور خدا ہی ہے جسنے آخرت میں جلا اٹھانا ہے اور خدا ہی ہے جو مالدار اور صاحب سرمایہ کرتا ہے اور خدا ہی ہے جو شعری ستارے کا مالک ہے - (ان سب آیات میں بت پرستی کی لفظ لفظ میں تردید کی ہے) اور خدا ہی ہے جسنے عاد اولی کو ہلاک کیا - اور ثمود کو بھی یہانتک کہ ان میں سے کوئی نہ چھوڑا - اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی ہلاک کیا - کیونکہ خود وہی بڑے ظالم اور سرکش تھے اور الٹی ہوئی بستیونکو بھی اسی نے الٹا دیا - سو ان پر جو تباہی آئی سو آئی - اے انسان تو اپنے پروردگار کی کونسی نعمتوں میں شک کریگا - یاد رکھو جیسے پہلے عذاب الٰہی سے ڈرانیوالے گذرے ہیں ویسا ہی عذاب سے ڈرانیوالا یہ رسول بھی ہے - یاد رکھو کہ وہ ہولناک گھڑی قریب آگئی ہے - سوائے خدا کے کوئی نہیں جو اسکی مصیبت کو ٹال سکے - کیا تم لوگ اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم بکے بکے رہتے ہو - چاہیئے کہ خدا ہی کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو -

اگر شفاعت کے مفہوم کو سمجھ لیا جاوے تو اور بھی اس قصہ کا جھوٹ ہونا واضح ہو جاتا ہے - بتونکی شفاعت سے جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں - بت پرستونکا یہ منشا تھا - کہ جس عذاب کی دھمکیاں بار بار نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں وہ عذاب اس شفاعت کیوجہ سے ٹلجائیگا پس بتونکی شفاعت کا تسلیم کرنا یہ معنے رکھتا تھا کہ جس عذاب سے ابتک کفار کو ڈرایا جاتا تھا وہ اب نہیں آئے گا - پر کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ مان لیا - کم از کم اگر عذاب الٰہی کا اس سورت میں کوئی ذکر نہ ہوتا تو بھی مخالفین کو ایک تنکا پکڑنیکی گنجایش تھی - مگر اللہ تعالے نے اپنے علم غیب سے کہ آنحضرت پر یہ الزام لگایا جاویگا اس سورت میں وہ تمام باتیں جمع کر دی ہیں جو بتونکی شفاعت کے منافی ہیں - اور ان میں سب سے آخر وعدہ عذاب ہے - اور صرف وعدہ عذاب ہی نہیں بلکہ بصراحت تمام تر یہ بھی بیان کر دیا کہ خدا کے سوا کوئی تمہارا بت اسکو ٹال نہیں سکتا اور وہ مصیبت کی گھڑی ضرور ضرور تمپر آوے گی - کسقدر صاف الفاظ میں انکو سمجھایا گیا کہ بڑی بڑی طاقتور قوموں عاد اور ثمود کو ہلاک کیا گیا - اور نوح کی قوم غرق کی گئی - اور بستیونکی بستیاں تہ و بالا کر دی گئیں - یہ نہ سمجھو کہ اب

کہ اب تمہارے لئے خدا کا وعید پورا نہ ہوگا۔ ضرور ہوگا۔ اور تمہارا کوئی بت تمہاری مدد کرکے اس عذاب کو ٹال نہیں سکیگا۔ ہاں اگر بچنا چاہتے ہو تو آؤ اکیلے خدا کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔ کہاں ہے وہ شفاعت جسپر پادریصاحبان قرآن کریم کی ناواقفیت کیوجہ سے اسقدر زور دیتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ اس سے زیادہ کھلا انکار بتونکی شفاعت کا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہاں جو شخص تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ لے اسکا اختیار ہے جو چاہے کہے مگر جو شخص غور کر سکتا ہے وہ غور کرے کہ اس قصہ میں کس قدر جھوٹ سے کام لیا گیا ہے +

اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن پر الگ الگ غور کرنیسے اس قصہ کا وضعی ہونا ثابت ہوتا ہے اسی سورۃ کے ابتدا میں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ یعنی پیغمبر اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتا بلکہ ہر ایک لفظ جو وہ کہتا ہے وہ وحی ہے جو خدا کیطرف سے وحی کیجاتی ہے۔ کس قدر تعجب ہے کہ قرآن شریف تو آنحضرت کو اس الزام سے بری کرے کہ وہ اپنی خواہش سے باتیں بنا کر کہدیتے ہیں اور قصہ کے بنانیوالے یہ الزام لگاویں کہ چونکہ آنحضرت کی یہ خواہش تھی کہ کچھ بتونکی بھی تعریف کردیجاوے اسلیے خدا کی وحی کو نعوذ باللہ آپنے خود اپنی خواہش نفس سے بدلدیا۔ جو شخص قرآن کریم کو قبول کرتا ہے اسے اس قصہ کو یقیناً وضعی ٹھہرانا پڑیگا۔ اور خدا نے قرآنشریف میں بار بار یہ بھی فرمایا ہے کہ شیطان کو اسکے نیک اور مخلص بندوں پر کوئی تسلط نہیں دیا جاتا۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ اسقدر تسلط پاجاوے کہ خدا کے کلام کی بجائے اپنا کلام نبی کے منہ میں ڈالدے نعوذ باللہ من ذلک۔ ایسا ہی سورۃ جن میں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔ فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا لیعلم ان قد ابلغوا رسلٰت ربھم یعنی اللہ تعالے اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر برگزیدہ پیغمبران میں سے جسپر چاہے ظاہر کرتا ہے۔ اور رسولوں کے آگے اور پیچھے وہ فرشتونکے پہرے رکھتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغام کو ٹھیک ٹھیک لوگوں تک پہونچادیا۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جبتک لوگوں تک خدا کی اتاری ہوئی کلام نہیں پہنچ جاتی اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا پس وہ قصہ جسکے رو سے قبل از ابلاغ ہی وحی کے الفاظ میں تغیر آگیا۔ قرآن کریم کے رو سے باطل اور غلط ٹھہرتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ عرب کے بت پرست یہی سمجھتے تھے۔ کہ انکے بتوں کو خدا نے طاقت دے رکھی ہے اور انکی شفاعت کا اعتقاد رکھتے تھے پس اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بتونکی عظمت اور شفاعت کو مان لیتے تو معاذ اللہ گویا انہوں نے کامل بت پرستی کا مذہب اختیار کرلیا ہوتا اس صورت میں وحی الہی کے کیا معنے۔ کیونکہ وحی کا نزول تو بت پرستی کی بیخکنی کیلیے شروع ہوا تھا اور یہی آنحضرت کا دعوے تھا پس جب بت پرستی ہی حق ہوگئی تو نہ وحی ہی رہی اور نہ نبی ہی رہا۔ اس صورت میں تو یہ لازم آتا تھا کہ جسقدر قرآن کریم

اسوقت تک نازل ہو چکا تھا اس سب کو بت پرستی کی مذمت کے سبب سے معاذ اللہ غلط سمجھ کر بالکل ترک کر دیا جاتا۔ اور تمام مسلمان پھر اپنے آبائی مذہب بت پرستی میں داخل ہو کر تمام جماعت درہم برہم ہو جاتی اور اس صورت میں خبر یہ مشہور ہونی چاہیئے تھی کہ تمام مسلمانوں نے بت پرستی کا مذہب اختیار کر لیا ہے نہ یہ کہ کفار مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور وہ مسلمان جنہوں نے بت پرستی کو ترک کر کے نہایت سخت مصیبت اور تکلیفیں اٹھائی تھیں اور ہر طرح سے کفار کے ظلموں کا نشانہ بنے تھے کیا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھتے کہ آپ نے اتنے برس ہم سے بت پرستی چھڑوا کر ہمکو طرح طرح کی مصائب میں ڈالا۔ گھروں سے الگ کیا جایدادیں چھڑائیں۔ رشتہ داروں کو دشمن بنایا۔ اور اب آپ پھر ہمیں اسی بت پرستی کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایک غور کرنیوالا انسان آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لحہ کیلیے بھی بتوں کی شفاعت کو تسلیم کر لیا ہوتا تو ضرور یہ سب باتیں فی الفور وقوع میں آجاتیں۔ مگر چونکہ یقینی امر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی واقع نہیں ہوئی اسلیے یہ یقینی اور قطعی نتیجہ ہے کہ یہ قصہ اسلام کے دشمنوں کا افترا ہے اور جب مشہور ہو گیا تو بعض غیر محتاط مسلمانوں کے اندر بھی مشہور ہو کر مان لیا گیا۔ جیسا کہ اور بہت سی وضعی احادیث مشہور ہو کر مان لی گئی تھیں جبتک کہ بڑے بڑے محققین نے کوشش کر کے اسکے جھوٹا ہونیکو ظاہر نہیں کیا۔ دوسری طرف جیسا کہ اس قصہ سے پایا جاتا ہے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کسیوقت کفار قریش واقعی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متبع ہو گئے ہوں۔ اور قرآن کریم کو وحی الہی سمجھکر اپنی مجلسوں میں پڑھنا شروع کر دیا ہو۔ یا اسکی چند سورتیں مسلمانوں کی طرح حفظ کر لی ہوں یا مسلمانوں کی طرح نمازیں پڑھنی شروع کر دی ہوں اور جماعت میں شریک ہونے لگ گئے ہوں۔ خواہ ایک آدھ دن کیلیے ہی سہی۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی سمجھدار آدمی ان واقعات کی موجودگی میں اس قصہ کو صحیح سمجھے گا۔

دو امر باقی ہیں جن پر کچھ روشنی ڈالنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم پڑھی تو کفار جو سن رہے تھے وہ سجدہ میں کیوں گر گئے۔ اس سورت کے آخری رکوع میں خدا تعالے کی عظمت اور جلال کا خاص طور پر ذکر ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ کیونکر اسکی غیرت نے اور اسکے غضب کی آگ نے ان لوگوں کو بھسم کر دیا۔ جنہوں نے اللہ تعالے کی عظمت اور جلال کو تسلیم نہ کیا بلکہ مخالفت پر ہی لگے رہے۔ چنانچہ رکوع کے ابتدا میں خدا تعالے کی طاقتوں کا بیان کر کے اخیر میں ان مغضوب قوموں کا حال بیان کیا ہے۔ جنہوں نے انبیا کی نصیحتوں کو نہ مانا اور الٹا ان پر ٹھٹھا کیا۔ کیونکر عاد اور ثمود اور نوح کی قوم ہلاک کی گئی کیونکہ انہوں نے خدا کے احکام سے سرکشی کی۔ کیونکر ان بستیوں کا تختہ الٹا کر ایک دم میں ہی انکو ہلاک کر دیا گیا کیونکہ انہوں نے بدکاری اور بت پرستی کو نہ چھوڑا

اور یہ سب باتیں بیان کرنیکے بعد کفار کو مخاطب کر کے یوں فرمایا گیا کہ یہ مت سمجھو کہ پہلے لوگ نبیونکی مخالفت سے ہلاک ہو گئے تو تم بچ رہو گے۔ تمہارا وقت اب قریب آ گیا ہے اور اس گھڑی کی خطرناک مصیبت کو تمہارے سر سے کوئی بھی سوائے خدا کے ٹال نہیں سکتا۔ یہ خالی نصیحت کی باتیں نہ تھیں جو وہ لوگ سنتے اور لاپروائی سے اٹھ جاتے یہ ایک خطرناک مصیبت کی خبر تھی۔ لفظ کیا تھے۔ گویا بجلی کی کڑک تھی اور اس سراسیمگی اور خوف کی حالت میں اللہ تعالے نے سورت کو ان الفاظ پر ختم فرمایا۔ کہ یہ خبر جو تمکو دی گئی ہے۔ اس سے تعجب مت کرو۔ یہ رونے کا وقت ہے اور ہنسنے کا نہیں۔......... ....خدا کو سجدہ کرو۔ اور اسی کی عبادت کرو۔ تا وہ اس عذاب کو تمہارے سر سے ٹالدے۔ ان الفاظ پر پہونچکر آنحضرت سجدے میں گر گئے اور آپکے ساتھ کل مسلمان بھی۔ ایکطرف اس نظارے کا اثر جادو کی طرح ہوا۔ دوسریطرف وہ عذاب کے وعید سے مرغوب ہو رہے تھے ان دونوں باتوں نے مل ملا کر ایک فوری اثر کفار پر کیا کہ وہ بھی بے اختیار خدا کے آگے سجدے میں گر گئے۔

یہ قرآن کریم کا ایک معجزہ تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک عظیم الشان نشان۔ اس سے پہلے بھی عذاب کے وعید کو قریش محض لاپروائی سے سنتے تھے۔ بلکہ انکے دل اندر ہی اندر سے کھائے جا چکے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے وہ بہت ڈرتے تھے اور اس قسم کے کئی واقعات احادیث اور سیرت کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ ایک دفعہ جب آپ کفار کی مجلس کے پاس سے گذرے تو آپ پر استہزا کیا گیا لیکن جب آپ واپس آ کر ٹھیر گئے تو کسی کو بات کرنیکی جرأت نہ ہوئی کیونکہ وہ خوف کرتے تھے کہ شاید آپ بددعا کریں۔ ایک دفعہ جب حضرت عمرؓ نے آپکے قتل کا ارادہ کیا تو وہ جنگل میں چھپے رہے کہ جب آپ رات کو نماز کیلئے نکلینگے تو اسوقت مارونگا۔ جب آدھی رات کے قریب ہوئی تو جنگل میں سے لا الہ الا اللہ کی آواز آنی شروع ہوئی۔ وہ سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آئے ہیں۔ جب انکے پاس سے آپ گذر گئے تو وہ بھی آپکے پیچھے پیچھے چلے۔ اور پھر خیال کیا کہ سجدے میں جائینگے تو اسوقت مارونگا۔ سجدے میں آپکی دعاؤں اور گریہ وزاری نے ایسا اثر حضرت عمر پر کیا کہ وہ آگے بڑھنے کی جرات نہ کر سکے جب آپ نماز سے فارغ ہو کر واپس چلے تو حضرت عمر پھر آپکے پیچھے ہوئے۔ آخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پھر کر کہا کہ اے عمر تو نہ دن کو میرا پیچھا چھوڑتا ہے نہ رات کو۔ حضرت عمر فرماتے ہیں۔ مینے سمجھا کہ اب مجھ پر بددعا کرینگے۔ سو انہوں نے کہا کہ آپ مجھ پر بددعا نہ کریں اور میں پھر آپکو تکلیف نہ دونگا۔ ایسا ہی جب عتبہ بن ربیعہ کفار کا پیغام لیکر آپکے پاس پہونچا تو آپنے جواب میں سورہ حم السجدہ پڑھنی شروع کی جب آپ اس آیت پر پہونچے فان اعرضوا فقل

انذرتکم صٰعقۃ مثل صٰعقۃ عاد وثمود۔ تو عتبہ نے آپکے منہ پر ہاتھ رکھدیا اور رحم کا واسطہ دیکر عرض کیا کہ اور کچھ نہ کہیں۔ پھر جب قریش اسسے ملے تو انہوں نے کہا کیا تو صابی ہوگیا ہے۔ وہ غضبناک ہوکر بولا کہ نہیں مینے سب کچھ کہا اور جو جواب آپنے مجھے دیا وہ نہ شعر ہے نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے۔ اور جب آپ ان الفاظ پر پہونچے صاعقۃ مثل صاعقۃ عاد وثمود۔ تو مینے آپکے منہ پر ہاتھ دیا اور رحم کا واسطہ دیا کہ یہ نہ کہیں۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم جب کچھ کہتے ہیں تو جھوٹ کبھی نہیں کہتے اور میں ڈرگیا کہ ہم پر عذاب نازل ہو" یہ بالکل سچ ہے جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور جیسا کہ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ قریش کے دلوں میں آپکی صداقت رچی ہوئی تھی اور شروع سے ہی انکے دلوں میں یہ کھٹکا پیدا ہوگیا تھا کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ ہوکر رہیگا۔ پس ضروری تھا کہ اس طرح بالمشافہ جب انہوں نے اس پیشگوئی کو آنحضرت کے منہ سے سنا تو وہ مرعوب ہوجاویں اور اس خالق کے آگے اپنے سر جھکا دیں جسکے وجود کے وہ پہلے بھی منکر نہ تھے۔

درحقیقت قرآن کریم کے اندر ایک ایسا اعجاز تھا کہ بعض وقت خالی اسکے پڑھے جانیسے ہی سامعین پر اسکی صداقت کا اثر ہوتا تھا اور پھر ساتھ اسکے کلام ایسا فصیح وبلیغ کہ کفار بھی اسکے آگے سجدہ میں گرجاتے تھے اسی لیے اسکے اعجازی اثر کیوجہ سے ہی قریش نے حضرت ابوبکر کو اپنے گھر سے باہر نکلکر قرآن شریف پڑھنے سے روکدیا تھا کیونکہ اسکا اثر سامعین پر ہوتا تھا اور اس کلام میں ایک کشش تھی اور انکو اندیشہ تھا کہ لوگ مسلمان ہوتے چلے جائینگے۔ ان باتوں سے قیاس ہوسکتا ہے کہ جب خود مہبط وحی علیہ الصلوۃ والسلام نے کفار کی ایک مجلس میں اس سورہ شریفہ کو پڑھا ہوگا تو اسکا کیسا اثر ہوا ہوگا۔ ایک طرف کلام کا اعجازی اثر اور دوسری طرف مضمون بھی وہ جو کفار کے دل کو کھا جانیوالا تھا۔ پہلی قومیں کس طرح عذاب الہی سے ہلاک کی گئیں کہ انکا نام ونشان بھی نہ رہا۔ وہ وقت تمپر بھی آنیوالا ہے۔ پس اس ایک خدا کی طرف رجوع کرو جو تمہارا خالق ہے اور جو اس عذاب سے تمہیں بچا سکتا ہے۔ اس اعجازی اثر اور خوف کے نیچے ایک لمحہ کیلیے قریش اپنی مخالفت کو بھول گئے اور اپنے ماتھے زمین پر خدائے ذوالجلال کے آگے رکھدیئے کیونکہ اسکی ہستی کے تو وہ بھی قایل تھے اور خدا کو سجدہ کرنا وہ برا بھی نہ سمجھتے تھے خود سوچ لو کہ ان دو باتوں میں سے کونسی اغلب ہے۔ آیا یہ کہ کفار خدا تعالے کو سجدہ کریں جس کی ہستی کو وہ مانتے تھے اور جسکے نیچے اپنے بتوں کو وہ چھوٹے دیوتا اور دیویاں مانتے تھے یا یہ کہ آنحضرت بتوں کی عظمت کو تسلیم کرلیں جسکی تردید میں آپ کئی سال سے وعظ کررہے تھے اور کبھی ایک لمحہ کیلیے بھی انکی شفاعت کے قایل نہ ہوئے تھے اگر باقی تمام وجوہات کو نظر انداز بھی کردیا جائے تو بھی خالی یہی مقابلہ ہی اس قصہ کے وضعی ثابت کرنیکے لیے کافی

ہے - یہ بہت قرین قیاس ہے کہ طرح طرح کے اثروں کے نیچے آکر جسکی نظیریں اس واقعہ کے علاوہ بھی ملتی ہیں کفار اپنی مخالفت کو ایک لحہ کے لیے بھول گئے ہوں - کیونکہ وہ مخالفت حق پر ہی نہ تھی حالانکہ اس سے بڑھکر اور کوئی بعید از قیاس بات ہی نہیں کہ اسقدر پر زور تعلیم بت پرستی کی تردید میں دیتے دیتے اور واقعی بتونکی بے حقیقتی پر یقین کامل رکھکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بتوں کی عظمت اور شفاعت کے قایل ہو جاتے یا معاذ اللہ بالفاظ دیگر بت پرستی کو اختیار کر لیتے +

اسکے بعد صرف چند آیات کی تشریح باقی ہے جنکو اس قصہ کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے ان میں سب سے زیادہ زور سورہ حج کی آیت وما ارسلنا من قبلک الخ پر دیا جاتا ہے - مگر افسوس ہے کہ جن لوگوں نے یہ پہلو اختیار کیا ہے انہوں نے قرآن شریف کو کھولکر نہیں پڑھا - اور اس آیت سے ماقبل و مابعد کی آیتوں پر کچھ بھی غور نہیں کیا - وہ رکوع جس میں یہ آیت ہے ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے - قل یا یہا الناس انما انا لکم نذیر مبین - اور پھر دو گروہ کر کے فرماتا ہے - والذین سعوا فی اٰیتنا معٰجزین اولٰئک اصحٰب الجحیم یعنی جو لوگ رات دن اسی جوڑ توڑ میں لگے رہتے ہیں کہ ہماری نشانیونکو عاجز کر دکھاویں اور انکو ہمارے وعدے کے مطابق غالب نہ ہونے دیویں وہ اصحٰب الجحیم ہیں - یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا ذکر ہے کہ انکو رات دن یہی فکر ہے کہ کسی طرح خدا کی باتیں پوری نہ ہوں اور پھر اسکے ساتھ ہی اگلی آیت میں یہ فرمایا کہ یہ بات صرف اس نبی سے ہی مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے بھی کوئی ایسا نبی یا رسول نہیں گذرا - مگر جب اس نے خواہش کی (کہ دنیا میں پاکیزگی اور سچائی پھیلے) تو شیطان نے اسکی آرزو میں روک ڈالی - مگر خدائے تعالے ان شیطانی القاؤں یعنی روکونکو دور کر کے اپنی آیات کو (جنکے ہرانیکے لیے مخالفین کوششیں کرتے ہیں) محکم اور غالب کر دیتا ہے یہی معنے ہیں اس آیت کے جسکا بے سمجھی سے بتونکی تعریف کے جھوٹے قصہ سے تعلق بتایا جاتا ہے - وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنّٰی القی الشیطٰن فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللہ آیتہ واللہ علیم حکیم - پہلی آیت میں تو مخالفین نبی کریم کا ہی ذکر تھا کہ وہ خدا کی آیتونکو ہرانے اور عاجز کرنیکی کوشش کر رہے ہیں اس دوسری آیت میں یہ فرمایا کہ ہر نبی کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے مگر پھر آخر ایک وقت آجاتا ہے جب مخالفین کی سب کوششونکو ناکام کر کے خدا تعالے اپنی آیات کو غالب اور محکم کرتا ہے اگر یہ معنے اس آیت کے نہ لیئے جاویں تو پہلی آیات سے اسکا کوئی تعلق نہیں رہتا - مابعد کی آیات سے بھی اسی نتیجہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان میں بھی اسی قسم کا ذکر ہے - ولا یزال الذین کفروا فی مریۃ منہ حتّٰی تاتیہم الساعۃ بغتۃ او یاتیہم عذاب یوم عقیم -

دوسری دو آیتیں جن سے میور یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ان میں آنحضرت کا اسی قصہ کیطرف اشارہ ہے حسب ذیل ہیں - وان کادوا لیفتنونک عن الذی اوحینا الیک لتفتری علینا غیرہ واذا لاتخذوک خلیلا ولولا ان

ثبتنٰک لقد کدت ترکن الیھم شیئًا قلیلا اذا لاذقنٰک ضعف الحیوٰۃ وضعف الممات ثم لاتجد لک علینا نصیرا -
(بنی اسرائیل - ۳، - ۷۵) اور بیشک یہ لوگ تو چاہتے تھے کہ تجھ کو اس چیز سے بہکا دیں جو ہمنے تیری طرف
وحی بھیجی تو کہ افترا کرے نو ہم پر سوائے اسکے (یعنے وحی الٰہی کے) اور اگر تو ایسا کر دیتا (جیسے انکی خواہش تھی) تب
یہ لوگ تجھے اپنا دوست بنا لیتے - اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہمنے تجھکو (پہلے سے ہی) مضبوط کر دیا ہوتا تو تو بھی انکی
طرف تھوڑا سا جھکنے کے قریب ہو جاتا - اور اگر ایسا ہوتا تو پھر ہم تجھے دُگنا عذاب زندگی دنیا کا اور دُگنا
عذاب آخرت کا چکھاتے - پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے کوئی ہمپر مدد کرنیوالا تعجب ہے کہ اس آیت کو کسطرح
اس قصہ کے متعلق ٹھہرایا جاتا ہے اس آیت میں تو صرف کفار کی خواہش اور تیاریوں کا ہی ذکر ہے - حالانکہ
قصہ میں یہ مانا گیا ہے کہ کفار اپنا کام پورا کر چکے تھے اور آنحضرت کو راہ حق سے بہکا چکے تھے - یہ اشارہ تو
کفار کی ان کوششوں کی طرف ہے جو انہوں نے مال اور عورتیں اور حکومت اور عزت کے لالچ پیش کر کے آنحضرت
سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ بتوں کی مذمت کو چھوڑ دیں - بلکہ ان آیات سے تو صاف اس قصہ کی جو سورہ
نجم کیطرف منسوب کیا جاتا ہے تردید ہوتی ہے کیونکہ یہاں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ جسطرح کفار نے آپکو
بہکانا چاہا تھا اگر واقعی آپ تھوڑا سا بھی جھک جاتے تو زندگی اور آخرت میں دُگنا عذاب دیا جاتا اور
دنیا میں کوئی آپکی نصرت کرنیوالا نہ رہتا پس اگر آنحضرت نے بتوں کی عظمت اور شفاعت کو حسب خواہش
کفار قبول کر لیا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ وعید الٰہی بھی پورا ہوتا - مگر اس وعید کے پورا نہ ہونے اور خدا تعالےٰ کے
آپکی نصرت اور تائید کرتے رہنے نے یہ قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ یہ قصہ محض جھوٹ ہے +

ایک نیا معترض

عصر جدید کے مضمون پر الحکم اور بدر میں اسقدر تنقید ہو چکی ہے کہ اگر ایڈیٹر رسالہ خصوصیت سے مجھے
ریویو کے لیے نہ لکھتا تو میں ہرگز اسطرف توجہ نہ کرتا - میرے مکرم خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیفکورٹ
پنجاب لاہور نے جو مفصل اور مبسوط بحث بذریعہ اخبار الحکم شایع کی ہے اور پھر خصوصًا جس تفصیل کے
ساتھ انہوں نے آیندہ خواجہ غلام الثقلین کی تحریر کے ہر ایک پہلو پر بحث کرنیکا وعدہ فرمایا ہے جسکو
امید ہے وہ عنقریب کتاب کی صورت میں شایع فرماوینگے اور جس زور سے منشی ذوالفقار علی خان
صاحب نے عصر جدید کے الزامات کی تردید کی ہے انکے بعد کسی تحریر کی ضرورت نہیں رہتی مگر اس خیال

سے کہ ممکن ہے کہ خواجہ غلام الثقلین جیسا کہ انہوں نے دعوے کیا ہے ہدایت کے لینے پر آمادہ ہوں میں انکو انکے اصول بحث کی غلطی سے آگاہ کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اگر عصر جدید کے ایڈیٹر نہیں تو کم از کم حق پسند احباب یہ سمجھ جائینگے کہ خواجہ غلام الثقلین نے ان اصول کے قایم کرنے میں جنکے رو سے وہ کسی مدعی نبوت کے سچ یا جھوٹ کو پرکھنا چاہتے ہیں بڑی بھاری غلطی کھائی ہے اور اسکی وجہ انکی قرآن شریف اور اصول حقہ مذہب اسلام سے ناواقفیت ہے۔ جس طرح ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہود اور عیسائیوں نے اپنی کتب کو چھوڑ کر مشرکین عرب کی طرح اعتراض کیے یعنی اسی طرح آج کل مسلمان قرآن کریم کی کھلی اور سیدھی راہ کو چھوڑ کر یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اعتراض کر رہے ہیں اور اس تشابہ قلوب کا ثبوت دے رہے ہیں جس کا ذکر قرآن شریف نے سورہ بقرہ میں کیا ہے +

اس ایک ہی وقت میں دو مضمون میری نظر کے سامنے ہیں ایک پادری سیل کا مضمون اسلام پر اور ایک خواجہ غلام الثقلین کا مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سلسلہ پر اور ان دونوں مضمونوں کو پڑھکر میں انکے درمیان کوئی مابہ الامتیاز نہیں پاتا۔ دونوں نے اپنے نزدیک بڑی عقلمندی سے حملے کیئے ہیں اور دونوں نے یہی ٹھوکر کھائی ہے کہ جو امتیازی نشان حق اور باطل میں فرق کرنیکا اللہ تعالے نے اپنی پاک کتاب میں قایم کیا ہے اسکو چھوڑ کر ایسے اعتراض کیئے ہیں جن کی پوری تردید کرنیکے بعد بھی حق و باطل میں امتیازی نشان قایم نہیں ہو سکتا۔ چار اصول جو خواجہ غلام الثقلین نے اپنی طبیعت سے ایجاد کیئے ہیں جنکے رو سے وہ حضرت مرزا صاحب کو پرکھنا چاہتے ہیں عدل و انصاف۔ کفایت شعاری سعی و محنت۔ اور اتفاق قومی۔ مگر میں خواجہ صاحب سے دو باتیں پوچھتا ہوں۔ اول یہ کہ آیا جس شخص میں یہ چاروں اوصاف پائے جاتے ہونگے وہ اسکو نبی ماننے کیلیے تیار ہونگے اور دویم یہ کہ آیا ایک متعصب آدمی جو ایک نبی کے خلاف رائے قایم کر چکا ہے جیسے آپ اسوقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اور سیل ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف کر چکے ہیں وہ ایسی مبہم باتوں میں ایک نبی کے خلاف اعتراض پر ہاتھ ڈال سکتا ہے یا نہیں۔ امر اول کے متعلق تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اعتراضوں کی تردید کے بعد بھی نبوت پر کوئی روشنی نہیں پڑیگی۔ ہاں شاید آپ یہ کہیں کہ کم از کم اگر ایک شخص میں یہ باتیں نہ پائی جاتی ہوں تو اسکا کاذب ہونا ثابت ہو جائیگا۔ اسی وہم کی تردید کیلیے مینے سوال کی دوسری شق قایم کی ہے۔ میں آپکی خدمت میں یہ التماس کرتا ہوں کہ آپ سیل صاحب کے مضامین کو مدراس کرسچین کالج میگزین میں مطالعہ کر کے پھر تبلاویں کہ پادری صاحب نے عین اسی موقعہ پر ٹھوکر نہیں کھائی جہاں آپ کھا رہے ہیں۔ انہوں نے بھی ایسے بعض امور پکڑ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیئے ہیں جو انکے

نزدیک انہی آپکے چار مجوزہ اصولوں میں سے کسی ایک نہ ایک کے خلاف ہیں اور اگرچہ آپ مذہب سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں مگر شاید آپنے سنا ہی ہوگا کہ اس قسم کے اعتراضوں کے جواب سینکڑوں دفعہ مسلمان پادریصاحبان کو دے بھی چکے ہیں اور اب بھی دے رہے ہیں۔ کیا پھر پادریصاحب قایل ہوگئے جو آپ اس قسم کے اعتراضونکے جواب سنکر قایل ہو جائینگے۔ آپ ایک لمحہ کیلیے یہ بدظنی چھوڑ دیں کہ دوسرے لوگ شریر ہیں اور آپ نیک ہیں۔ اور اپنے وجود کو ایکدم کیلیے عصر جدید کے مضمون سے الگ کرکے سوچیں کہ آپکی باتوں اور اور ان لوگونکی باتوں میں جو اسلام پر اعتراض کر رہے ہیں اصولاً کیا فرق ہے تو میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کوئی فرق نہ پائینگے۔ مثلاً سیل کے مضمون کے بعض اعتراض ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ ہیں کہ آپنے مدینہ میں بعض یہودیونکو قتل کیا اور بعض کو لونڈی غلام بنایا اور عدل و انصاف کے خلاف کام کیا۔ آپکی لڑائیاں لوٹ کے لالچ سے تھیں۔ اور اسلیئے سعی و محنت کا اصول ملحوظ نہ رہا۔ آپنے بہت سی بیویاں کیں اور کفایت شعاری کے اصول کو چھوڑا۔ آپنے صلح کے پہلو کو اختیار نہ کرکے ناحق لوگوں کو جنگ کے لیے اکسایا اور خطرناک تفرقہ ڈالا۔ اور قومی اتحاد کے اصول سے الگ ہوگئے۔ ایسے ہی اور سینکڑوں اعتراض ہیں جنسے پادریصاحبان کی کتابونکے اوراق سیاہ ہو رہے ہیں اور باوجود بار بار کے جواب دینے کے بھی وہ اپنی باتوںسے باز نہیں آئے +

اگر اور پیچھے چلیں تو یہی سلوک اور ایسے ہی اعتراض یہود کے حضرت مسیح کے متعلق نظر آتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ وہ نہایت قیمتی عطر جو مسیح نے اپنے پاؤں پر ملوایا۔ اس سے آپکی نبوت پر اعتراض آتا ہے کیونکہ اگر کفایت شعاری کے اصول کو مدنظر رکھا جاتا تو وہی روپیہ کسی اور جگہ کام آسکتا تھا۔ دوسرا کہتا ہے کہ انہوں نے مچھوؤنکو کام سے ہٹایا اور اس سے خواجہ غلام الثقلین کے اصول سعی و محنت کی خلاف ورزی ہوئی تیسرا اعتراض کرتا ہے کہ ایک غریب کے سوروں کا گلہ آپنے سمندر میں ڈبو دیا اور بیگانے کھیت سے خوشے توڑنیکی اجازت اپنے مریدونکو دی۔ اس سے خواجہ صاحب کا اصول عدل و انصاف قایم نہیں رہتا۔ چوتھا اعتراض کرتا ہے کہ حضرت مسیح نے فقیہوں اور فریسیوں کو جو معزز اور ممتاز عالم تھے منافق اور سانپ اور حرامکار اور کیا کیا کہا۔ پس قومی اتفاق کا اصول ٹوٹ گیا۔ میںنے ایک ایک مثال دی ہے۔ اور خواجہ صاحب پسند کریں تو اور سینکڑوں نظیریں اسکی پیش کر سکتا ہوں۔ بلکہ ایسے ہی اعتراض آریوں نے حضرت موسے علیہ السلام پر کیئے ہیں مثلاً مصریونکے زیور لے آنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ہندوؤنکے اپنے بزرگ بھی ان اعتراضونسے خالی نہیں۔ غرضیکہ جہانتک انبیاء علیہم السلام کی تاریخ دیکھی جاتی ہے مخالفین کو اعتراضونکے لیئے ہر جگہ گنجایش ملتی رہی ہے اور پھر باوجودیکہ ان اعتراضونکے جواب کئی دفعہ دیئے جاچکے ہیں۔ مگر مخالفین کے منہ

بند نہیں ہوگئے کیا ہم محض خواجہ غلام الثقلین کی خاطر یہ مان لیں کہ آپ تو نیک نیت ہیں اور دوسرے معترضین بدنیت۔ حالانکہ آپکی نیک نیتی کی حقیقت میرے مکرم دوست خواجہ کمال الدین صاحب خوب کھول چکے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ان سب لوگوں نے ایک ہی جگہ ٹھوکر کھائی ہے یعنی اس سچے اصول کو جو حق اور باطل کے درمیان امتیاز کر سکتا ہے چھوڑ دیا ہے اور بیہودہ راہوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ سچے اور جھوٹے کے درمیان خدائے تعالے نے یہ امتیاز رکھا ہے کہ سچے کو اللہ تعالے کیطرف سے نصرت اور تائید دیجاتی ہے اور مفتری مخذول اور ہلاک ہوتا ہے یہی اصول توریت نے قایم کیا ہے اور اسی اصول پر باربار قرآن شریف نے زور دیا ہے اس اصول سے انکار کرنا خدا کے متصرف اور مدبر بالارادہ ہونیسے انکار کرنا اور دہریت کا ایک شعبہ ہے۔ اب خواجہ صاحب دو راہوں میں سے جونسی چاہیں اختیار کرلیں۔ یا تو یہ ثابت کردیں کہ یہ اصول حق اور باطل میں امتیاز کا خدائے تعالے نے قایم نہیں کیا اور قرآن شریف میں بصراحت اسکا ذکر نہیں اور ان آیات کو کہ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا اور ان جندنا لھم الغالبون۔ اور ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین اور اسی قسم کی دوسری بہت سی آیتوں کو جن سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے مدنظر رکھ لیں اور یا یہ ثابت کردیں کہ اس اصول کے رو سے حضرت مرزا صاحب صادق نہیں ٹھہرتے۔ ان راہوں کو اختیار کرنیسے دنیا پر حق جلدی کھل جاتا ہے اور فضول مباحثوں سے نجات ہوتی ہے چونکہ انہوں نے اپنے رسالے میں اس مضمون کو چھیڑا ہے۔ اسلیے مناسب ہے کہ اس جوش اور غضب فرو کرکے اور اس لچھے پن کو چھوڑ کر جو انکے پہلے مضمون میں پائے جاتے ہیں وہ ٹھنڈے دل سے غور کریں اور پورے غور کے بعد اس نتیجہ کو شایع کریں جس پر وہ پہونچیں۔ مگر نہ اسکی طرح جسکے متعلق آیا ہے انہ فکر و قدر فقتل کیف قدر۔ بلکہ اسکی طرح جس نے کہا وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللہ لایھدی من ہو مسرف کذاب۔

اب چند سطروں میں میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالے نے اپنی نصرت اور تائید کے کیا کیا وعدے کیے اور کیونکر وہ وعدے پورے ہورہے ہیں۔ میں یہ جتانا چاہتا ہوں کہ دنیا میں جو لوگ کوئی کام کرتے ہیں وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں اور ناکام بھی۔ پس خالی کامیابی یا ناکامی سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ مگر اللہ تعالی کی اپنے ان خاص بندوں کے ساتھ جنپر وہ اپنا کلام نازل فرماتا ہے اور جنکو دنیا کی اصلاح کیلیے مامور فرماتا ہے یہ سنت قدیم ہے کہ وہ پہلے ایسے حالات میں جب چاروں طرف سے ناکامی ہی ناکامی نظر آتی ہے انکو بذریعہ وحی مطلع فرماتا ہے کہ وہ آخر میں غالب اور منصور کیے جاوینگے اسکی دو غرضیں ہوتی ہیں اول یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو ہر قسم کے غموم و ہموم کے اوقات میں جب لوگ

ان کی باتوں کو رد کرتے ہیں اور ہر قسم کے مصائب اور تکالیف اور ایذائیں کے زمانے میں جو مخالفین کی طرف سے انکو پہونچائی جاتی ہیں۔ خدا کے زندہ اور طاقتور کلام سے تسلی ملتی رہے اور دوسرے یہ کہ انبیاء علیہم السلام کا ناکامیوں کے بعد آخر کامیاب ہونا دنیا کیلئے ایک نشان ٹھیرے اور تا معلوم ہو کہ یہ انکی کامیابی اتفاقی امر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے خاص ارادہ اور منشاء سے یہ انکی نصرت ہوئی ہے۔ اور تا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم پر اسکے بندوں کو یقین تام حاصل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت اسوقت یہ خبر دی جب انکی کامیابی ناممکن معلوم ہوتی تھی اسی لیے قرآن شریف کی تمام مکی سورتیں ابتدا سے لیکر آخر تک اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں سے بھری پڑی ہیں کہ آخر کار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے ساتھی غالب اور منصور و مظفر ہونگے اور ہر ایک روک جو انکی کامیابی کی راہ میں آ رہی اُٹھا دی جاویگی اور پھر آخر مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام وعدوں کو پورا فرما کر تمام مخالفین پر اتمام حجت کی چنانچہ جب یہ آخری اور عظیم الشان فتح اور کامیابی کا وقت آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔ یعنی ہمنے کھلی کھلی فتح عطا فرمائی تا وہ تمام اعتراض جو پیغمبر پر کیے جاتے ہیں خود ہی دنیا کی نظروں میں مردود ثابت ہو جائیں۔ کیونکہ جب نصرت الٰہی تمام و کمال کو پہونچ گئی اور مخالفین کی کل کوششیں جو سالہا سال تک وہ کرتے رہے بالکل ناکام اور نامراد ہوئیں اور حسب وعدہ الٰہی یہ سب باتیں ہوئیں تو یہ ایک ایسی کھلی دلیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر پیدا ہو گئی جسکے مقابل کسی اعتراض کی گنجائش ہی نہ رہی۔ تعجب ہے کہ مکہ کے بت پرستوں نے تو اس بات کو سمجھ لیا جب انہوں نے فتح مکہ کے بعد کہا کہ آج ہم آنحضرت کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ وہ نصرت اور تائید کے تمام وعدے پورے ہوئے جو آپکے ساتھ کیے گئے تھے اور اسوقت یہ سوال نہ کیا کہ فلاں فلاں اعتراض ابھی آپکو دور کرنے چاہئے اور آج کل کے نام کے مسلمان اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ذنبک سے مراد اس جگہ وہ ذنوب ہیں جو مخالفین آپکی طرف منسوب کرتے تھے اور اعتراض کے رنگ میں پیش کرتے تھے ورنہ فتح کو گناہوں کی معافی سے کیا تعلق۔

اب اس خدا تعالیٰ کی قدیم سنت کے مطابق ہمارے حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اسوقت آپکی نصرت اور تائید اور مخالفین کی کوششوں کے ناکام اور نامراد رہنے کے وعدے دیئے۔ جب آپ ایک گمنامی کی حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ کی یہ وحی اگر صرف چند آدمیوں کے سماع تک ہی محدود ہوتی اور تحریر میں نہ آجاتی تو بھی مخالفین کو انکار کی گنجائش ہوتی کہ شاید یہ وحی اسوقت کی نہ ہو مگر ایک ایسے وقت میں یہ سب پیشگوئیاں براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہیں جس کو آج پچیس سال کا عرصہ گذر چکا ہے

اور جبکہ نہ ابھی حضرت میرزا صاحب کا دعوے تھا۔ نہ ہی کوئی مخالف تھے اور نہ ہی انکے پاس لوگوں کی آمد و رفت تھی بلکہ اسوقت آپکو کوئی جانتا بھی نہ تھا مثلاً ان الہامات پر غور کرو۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح و انتہی امر الزمان الینا الیس ہذا بالحق۔ یاتیک من کل فج عمیق۔ یاتون من کل فج عمیق۔ ینصرک اللہ من عندہ یرفع اللہ ذکرک۔ فحان ان تعان وتعرف بین الناس لا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس اصحاب الصفۃ وما ادراک ما اصحاب الصفۃ تری اعینہم تفیض من الدمع یصلون علیک ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان۔ یعنی جسوقت خدا کی مدد اور فتح آئیگی اور زمانہ ہماری طرف رجوع کریگا اسوقت کہا جائیگا۔ کہ کیا یہ کاروبار خدا کیطرف سے نہ تھا۔ ہر ایک گہری راہ سے تیرے پاس نصرت آئے گی اور ہر ایک دور کی راہ سے تیرے پاس لوگ آئینگے۔ خدا اپنے پاس سے تیری مدد کرے گا۔ خدا تیرے ذکر کو دنیا میں بلند کرے گا۔ وہ وقت چلا آتا ہے کہ تیری مدد کیجائے گی اور دنیا جہان میں تیرے نام کو شہرت دیجائے گی لوگ کثرت سے تیریطرف رجوع کرینگے۔ سو تیرے پر واجب ہے کہ تو ان سے بدخلقی نہ کرے اور انکی کثرت دیکھکر تھک نہ جائے۔ اور اصحاب الصفہ بھی ہونگے۔ اور تو جانتا ہے کہ اصحاب الصفہ کیسے لوگ ہونگے وہ بہت قوی الایمان ہونگے۔ اور تو دیکھے گا کہ انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہونگے وہ تیرے پر درود بھیجینگے۔ بسبب اس نعمت کے جو تیرے ذریعہ انکو ملے گی۔ اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی جو ایمان کی طرف بلاتا ہے سو ہم ایمان لائے۔

یہ سب پیشگوئیاں ایسے وقت کی ہیں جب حضرت مرزا صاحب کو دوسرے لوگ تو ایکطرف رہے خود اس چھوٹے سے گاؤں کے بہت لوگ بھی نہ جانتے تھے اور آپ ایک نہایت گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے اور پھر اسیوقت یہ پیشگوئیاں بذریعہ براہین احمدیہ کے دنیا میں شایع بھی ہوگئیں۔ یہ وحی کئی قسم کی پیشگوئیوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً اول یہ کہ مخالف یہ کوششیں کرینگے کہ تو ناکام رہے اور لوگ تیریطرف رجوع نہ کریں۔ مگر آخر ہمارا ارادہ پورا ہوگا۔ اور لوگ تجھے قبول کرتے جائینگے انہی معنی پر مشتمل ایک اور الہام بھی ہے یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ۔ یعنے لوگ خدا کے اس نور کو بجھانے کی کوشش کرینگے مگر خدا اسے پورا کرکے ہی رہیگا۔ دوئم یہ کہ دور دور سے مالی مدد اور تحایف وغیرہ تیرے پاس پہونچیں گے۔ سوئم یہ کہ دور دور کے بلاد اور ممالک سے لوگ چلکر تیرے پاس آوینگے چہارم یہ کہ لوگ تیرے تباہ کرنیکے لیے کوشش کرینگے مگر خدا اپنی نصرت تیرے شامل حال رکھے گا اور تیرا محافظ رہے گا یہی مطلب دوسری جگہ یعصمک اللہ ولو لم یعصمک الناس۔ کہکر ادا کیا گیا ہے۔ یعنی لوگ تیرے ہلاک کرنیکی کوششیں کرینگے مگر خدا تجھے بچائیگا۔ پنجم یہ کہ کل دنیا میں تیری شہرت ہوجائے گی۔ ششم یہ کہ لوگ اسقدر کثرت سے آوینگے

کہ قریب ہے کہ تو اُن سے تھک جائے۔ ساتویں یہ کہ بعض لوگ اپنے وطنوں کو چھوڑکر ہجرت کر کے تیرے پاس آرہینگے اور تیرے گھر کے کسی حصہ میں رہیں گے وہ اصحاب الصفہ کہلائینگے۔

اب دیکھو کہ خدا تعالے نے اپنے یہ تمام وعدے کس صفائی سے پورے کیئے اور آئندہ وہ کیسی صفائی سے پورے ہو رہے ہیں۔ اب نہ یہ اتفاقی امر ہے نہ منصوبہ بازی ہے۔ کیونکہ پچیس برس پہلے ان باتوں کی خبر دیگئی ہے۔ اور پھر وہ سب بعینہ اسی طرح پوری ہوئیں۔ اگر ایسی منصوبہ بازی کی کوئی نظیر دنیا میں ہے تو پیش کرو۔ مگر یاد رکھو کہ اسکی نظیر سوائے زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کہیں ہیں نہیں ملتی جس طرح وہاں دکھوں اور مصیبتوں اور تنہائی کیوقت میں ایک شخص پکار پکار کر کہتا تھا کہ میرے خدا کیطرف سے ہونیکا یہ نشان ہے کہ آخر میں ہی غالب ہونگا اور تمہاری سب کوششیں نامراد رہیں گی۔ اور آخر ایسا ہی ہوا باوجودیکہ دشمنوں نے کوئی دقیقہ ہلاک اور تباہ کرنیکا باقی نہ چھوڑا تھا۔ ایسا ہی یہاں بھی بڑی گمنامی اور تنہائی کی حالت میں اللہ تعالے نے یہ وعدے دیئے کہ میں تجھیں مرجع خلایق بناؤنگا۔ اور خدا کے یہ وعدے اسیوقت مشتہر بھی ہوگئے پھر ان الہامات کے ساتھ ایک جگہ یہ بھی لفظ ہیں کہ اُملوا یعنی ان باتوں کو لکھ چھوڑو۔ کیونکہ یہ سب اپنے وقت پر واقع ہونگی۔ اور پھر دشمنوں نے وہ کوششیں کیں کہ کوئی کسر تباہ کرنے میں باقی نہ چھوڑی اور ایک قوم بھی اس ملک میں ایسی نہ رہی جسنے پورا زور مخالفت کا نہ لگایا ہو اور ہر طرح کے منصوبے کیے گئے مگر خدا نے اپنے وعدے کے مطابق ایسی نصرت اور تائید اور حفاظت کی جسکی نظیر سوائے انبیاء کے اور کہیں نہیں ملتی +

میں خواجہ غلام الثقلین صاحب کو پھر یہ کہتا ہوں کہ وہ ٹھوکر نہ کھائیں۔ اغراض کس پر نہیں ہوئے اور اعتراضوں کے جوابوں سے کتنے لوگ قایل ہوئے۔ صحیح اصول جو صداقت کے پرکھنے کا قرآن کریم نے بتایا ہے وہ یہی ہے جو میں نے یہاں بیان کیا ہے۔ ہم نہ منصوبہ باز ہیں نہ دھوکہ دینے والے اور نہ ہی دھوکہ خوردہ۔ نہیں بلکہ علے بصیرت ہم اس سلسلہ کی سچائی کو دیکھ رہے ہیں۔ جب ہم خدا تعالے کی ہستی کے زندہ نشان دیکھ رہے ہیں تو پھر اس ذوالجلال کے آگے سے بھاگ کر کہاں جائیں۔ اگر مذہب کی غرض خدا کی ہستی پر یقین ہے تو خواجہ صاحب یاد رکھیں کہ اس غرض کو آج سلسلہ احمدیہ کے سوا روئے زمین پر اور کوئی پورا کرنیوالا نہیں۔ یہ جو اصلاح خواجہ صاحب کر رہے ہیں یا کرنیکے مدعی ہیں وہ خشک لفاظی ہے۔ جب انسان کو اللہ تعالے پر اور اسکے رسول پر زندہ ایمان اور یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے تو پھر سب اصول کی پابندی کے وہ قابل ہو جاتا ہے۔ عدل و انصاف

کفایت شعاری۔ قومی اتفاق۔ سعی و محنت۔ سب اسی کے نتیجے ہیں۔
میں بڑے زور سے اسبات کا اعادہ کرتا ہوں کہ یہ نصرت اور تائید جو اس سلسلہ کی ہو رہی ہے وہ خدا کے سوا اور کسی کی طرف سے نہیں کیونکہ اسی نے پچیس برس پہلے ان سب باتوں کی خبر دی ورنہ انسان عاجز کیا چیز ہے وہ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں کل زندہ رہونگا۔ اس میں یہ طاقت کہاں کہ کہے کہ ساری دنیا میری مخالفت کریگی پر سب ناکام ہونگے اور میں ہی کامیاب ہونگا۔ اگر کوئی جواب ان امور کا آپ کے پاس ہے تو اسے شایع کریں +

مسیح موعود کے متعلق ایک پادری کے خیالات

پادری گرسوولڈ لاہوری نے ایک مضمون بعنوان مسیح قادیانی ولایت کے ایک مجمع میں پڑھا جانیکے لیے لکھ کر بھیجا تھا جو اب بصورت رسالہ شایع ہوا ہے۔ یہ مضمون وکٹوریا انسٹیٹوٹ کے مجمع میں ۱۵ مئی گذشتہ کو پڑھا گیا۔ اگرچہ یہ مضمون اس حیثیت سے کہ ایک پادریصاحب کے قلم سے نکلا ہی مخالفانہ رنگ میں لکھا گیا ہے تاہم حضرت مسیح موعود کے دعاوی کو واضح طور پر بدلایل بیان کیا گیا ہے یہ رسالہ کم از کم ان مولویصاحبان کیلیے شرم کا باعث ہے جو کبھی یہ گوارا ہی نہیں کر سکتے کہ اصل واقعات مع دلایل دعوے کے پبلک میں پیش کریں بلکہ ہر ایک بات کو بگاڑ کر بیان کرنا چاہتے ہیں۔ پادری گرسوولڈ صاحب نے نہایت محنت سے متفرق کتابوں سے دعوے اور اسکے دلایل کو لیکر یکجائی طور پر بیان کیا ہے یہانتک کہ جو دلایل حضرت مسیح کی وفات کے مختلف مضامین میں ہمنے دیئے ہیں انکو بھی بعینہ درج کر دیا ہے اگرچہ کہیں کہیں ایک عیسائی مجمع کیخاطر مخالفت کی بھی کوئی کوئی بات بیان کر دی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس لکچر کو جو لوگ تعصب سے خالی ہو کر پڑھینگے انپر حضرت مسیح موعود کی صداقت ضرور کچھ نہ کچھ اثر ڈالیگی۔ مثال کے طور پر میں ایک موقع پیش کرتا ہوں۔ آپکے دعویٰ کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے پادری گرسوولڈ صاحب لکھتے ہیں کہ "اس سے انکی یہ مراد نہیں کہ اسی پہلے مسیح نے دوبارہ ہندوستان میں جنم لیا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ میں مسیح کی طاقت اور روحانیت میں ہو کر آیا ہوں۔ انکا خیال یہ ہے کہ ٹھیک جیسے یسوع کے اپنے کیے ہوئے معنوں کے مطابق یوحنا بپتسمہ دینے والا الیاس ہی تھا جس نے آنا تھا کیونکہ وہ الیاس کی طاقت اور روحانیت میں ہو کر آیا۔ دلوقا باب ۱ آیت ۱۷) ایسے ہی وہ یعنی مرزا صاحب مسیح ہیں کیونکہ وہ مسیح کے رنگ اور روحانیت

میں آئے ہیں" اس دلیل کی تردید پادریصاحب یوں کرتے ہیں "وہ مگر اس دعوے کے منطقی نتیجہ پر غور کرو۔ اگر مرزا صاحب قادیانی مسیح موعود ہیں تو (۱) انکے ظہور سے بائیبل کے وہ تمام وعدے پورے ہوگئے جو مسیح کی آمد ثانی کے متعلق ہیں۔ (۲) پھر اسی یسوع کے واپس آنیکی کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے (۳) عیسائیونکا اتنی مدت اس مسیح کی واپسی کا انتظار کرتے رہنا گویا غلطی پر مبنی تھا" اس میں شک نہیں کہ یہ سب نتائج حضرت مرزا صاحب کے دعوے سے پیدا ہوتے ہیں مگر ان سے انکے دعوے کی تردید کیونکر ہوئی۔ کم از کم پادریصاحب یہی سوچیں کہ بعینہٖ یہی باتیں تھیں جنہوں نے یہودیونکو مسیح کے قبول کرنیسے روکا۔ کیونکہ ملاکی نبی کی کتاب میں لکھا تھا کہ مسیح کے آنیسے پہلے ایلیا کا دوبارہ آنا ضروری ہے اور یہ نہیں لکھا تھا۔ کہ ایلیا کی طاقت اور خو بو میں کوئی آئیگا پس وہ کہتے تھے کہ اگر ہم یسوع کو سچا مسیح مان لیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ (۱) اسی ایلیا کے دوبارہ آنیکی کبھی امید نہ رکھنی چاہیئے۔ اور (۲) کہ یہودیونکا اتنی مدت اسی ایلیا کے دوبارہ آنیکا انتظار کرتے رہنا گویا ایک غلطی پر مبنی تھا۔ بعینہٖ وہی خیالات جو آج پادریصاحبان کو مسیح موعود کے قبول کرنیسے روک رہے ہیں اس سے انیس سو سال پیشتر یہودیونکو مسیح اول کے قبول کرنیسے روکتے رہے۔ ایسا ہی وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر یسوع ہی سچا مسیح ہے تو بائیبل کے وہ سب وعدے جو مسیح کے آنے اور ایلیا کے دوبارہ آنیکے ساتھ پورے ہونے تھے۔ انکے متعلق بھی یہ ماننا پڑے گا کہ وہ یسوع کے آنیسے پورے ہوگئے حالانکہ نہ کوئی نشان ہی ظاہر ہوا نہ خدا کی قدرت کے عجیب عجیب نمونے ظاہر ہوئے نہ ہی وہ عام صلح کا زمانہ شروع ہوا نہ اس اتفاق واتحاد کی بنیاد پڑی۔ نہ ہی یروشلم دنیا کا مرکز بنا۔ جن سب باتوں کے پورا ہونیکا مسیح کے آنیکے ساتھ وعدہ تھا۔ تعجب ہے کہ ان نمونوں کے ہوتے ہوئے پادریصاحبان اسقدر غلطی میں پڑے ہوئے ہیں کہ وہ سچے مسیح کو قبول نہیں کرتے +

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعودؑ

۲۔ ستمبر ۱۹۰۵ء سینتالیس سال کی عمر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اس سے دوسرے دن ۳ ستمبر ۱۹۰۵ء کو ایک شخص کا خط آیا جس نے اپنی بدکاریوں اور غفلتوں پر نہایت افسوس کی تحریر کرکے لکھا کہ اب میری عمر سینتالیس سال کی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون + فرمایا کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو خط باہر سے آنیوالا ہوتا ہے اسکے مضمون سے پہلے ہی سے اطلاع دیجاتی ہے) ۴۔ ستمبر ۱۹۰۵ء ماکان لنفسٍ ان تموت الا باذن اللہ ۔

۷۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ ایک کاغذ دکھایا گیا جیسا کہ منی آرڈر کا فارم ہوتا ہے اور سامنے اسکے پاس ۵ روپے رکھے ہوئے ہیں۔ (اس کشف کے تھوڑی دیر بعد ۵ روپے کا ایک منی آرڈر آیا۔) ۲۔ ایک کاغذ دکھائی دیا اسپر لکھا ہوا تھا۔

"دو آتش فشاں"۔ ۳۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اسپر لکھا تھا مصالح العرب۔ مسیر العرب۔ ۴۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اسپر لکھا تھا "بامراد"۔ ۵۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اسپر لکھا تھا "ردّ بلا"۔ ۷۔ستمبر ۱۹۰۵ء قبل ظہر واما بنعمۃ ربک فحدث۔ ۸۔ستمبر ۱۹۰۵ء۔ (۱) "کفن میں لپیٹا گیا" (۲) اِذا جاءَ افواجٌ وسُمّ من السّماء (۳) ان المنایا لاتطیش سھامھا (ترجمہ موت کا تیر خطا نہیں جاتا)۔

۱۰۔ستمبر نماز صبح کیوقت رؤیا۔ ایک جگہ ایک بڑی حویلی ہے اسکے آگے ایک بڑا چبوترہ ہے جسکی کرسی بہت بلند ہے اسپر مولوی عبد الکریم صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے دروازہ پر بیٹھے ہیں۔ اس جگہ میں ہوں اور پانچ چار اور دوست ہیں جو ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں میں نے کہا مولویصاحب میں آپ کو آپکی صحت کی مبارک باد دیتا ہوں اور پھر میں رو پڑا۔ اور میرے ساتھ کے دوست بھی رو پڑے اور مولویصاحب بھی رو پڑے پھر میں نے کہا دعا کرو اور دعا میں تین دفعہ سورہ فاتحہ پڑھی۔

۱۰۔ستمبر ۱۹۰۵ء۔ دورہ پیشاب کی بڑی تکلیف تھی۔ دعا کی گئی۔ الہام ہوا۔

"السلام علیکم"

۱۲۔ستمبر ۱۹۰۵ء۔ دو شہتیر ٹوٹ گئے۔

انی مھین من اراد اہانتک

۱۴۔ستمبر ۱۹۰۵ء۔ عفت الدیار کذکری۔ ۱۶۔ستمبر ۱۹۰۵ء۔ رؤیا۔ دیکھا کہ ایک شخص مسمی شرم پت ساتھ ہے۔ ایک گہرے پانی ہیں جو جھیل کی طرح ہے ہم ہر دو کنارہ کی طرف تیرتے جاتے ہیں۔ کنارہ بہت دور ہے اور میں پانی پر لیٹا ہوا جا رہا ہوں اور تیرتا چلا جاتا ہوں۔ اسی طرح تیرتے ہوئے جب میں قریب نصف کے پہونچا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ قریباً زانو تک پانی ہے۔ پھر کنارہ پر پہونچ گئے۔ اور خیال آیا کہ میرا لڑکا مبارک اسی کنارہ پر رہا ہے۔ پھر ہم اس کو لینے کے واسطے واپس آئے۔ تب دیکھا۔ کہ پانی ایک طرف سے بالکل خشک ہے۔ ایک طرف پانی ہے اور لوگ خشکی پر چلتے ہیں۔ ہم بھی خشکی کے راہ پر چلنے لگے۔

۱۹۔ستمبر ۱۹۰۵ء۔ رؤیا۔ دیکھا کہ مرزا غلام قادر صاحب میرے بڑے بھائی نہایت سفید لباس پہنے ہوئے میرے ساتھ جا رہے ہیں اور کچھ باتیں کرتے ہیں۔ ایک شخص ان کی باتیں سن کر کہتا ہے کہ یہ کیسی فصیح بلیغ گفتگو کرتے ہیں گویا پہلے سے حفظ کر کے آئے ہیں + فقط

۲۲۔ستمبر ۱۹۰۵ء۔ طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع +

۲۰ ستمبر ۱۹۰۵ء رویا دیکھا۔ کہ میں بٹالہ کو جاتا ہوں خیال آیا کہ نماز کا وقت ہے۔ اسواسطے ایک مسجد میں گیا جو کہ چھوٹی سی مسجد ہے۔ مسجد کے زینوں پر سے چڑھتے ہوئے مرزا خدا بخش کی آواز آئی وہ تو کہیں کو چلے گئے۔ پھر جب میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ بڑے مرزا صاحب یعنی والد صاحب کا ایک پرانا نوکر مرزا رحمت اللہ نام جو قریباً پچاس سال تک والد صاحب کی خدمت میں رہا تھا اور جسکو فوت ہوئے بھی قریباً چالیس سال ہوئے ہیں وہاں موجود ہے اور غمگین سا ہے۔ اور مسجد کے کنوئیں کی منڈیر پر محمد اسحٰق (ولد میر ناصر نواب صاحب) بیٹھا ہے اور پیر منظور محمد بھی اسجگہ ہے اسحٰق نے مرزا رحمت اللہ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ بڑے مرزا صاحب نے اس کی روٹی بند کر دی ہے اور یہ ارادہ کرتا تھا کہ چلا جائے اور خدا جانے کہاں جانا تھا۔ مگر منظور محمد نے اسکو رکھ لیا ہے کہ تجارت کرکے گذارہ کر لیں گے۔ ہمارے دل میں خیال آیا کہ معلوم نہیں مرزا صاحب نے کیوں روٹی بند کر دی ہے بزرگوں کے کام پر اعتراض نہیں ہو سکتا فقط پھر الہام ہوا انی انا الرحمٰن لا یخاف لدی المرسلون قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون ترجمہ تحقیق میں رحمان خدا ہوں مرسل میرے پاس نہیں ڈرا کرتے کہہ یہ خدا کے کام ہیں پھر ان کو چھوڑ دے جن کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ اُن میں لہو ولعب کریں

۲۹ ستمبر ۱۹۰۵ء (۱) لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون (۲) وقالوا من ذا الذی یشفع عندہ ھیھات ھیھات لما توعدون (۳) قل عندی شہادۃ من اللہ فھل انتم تؤمنون (۵) قل ما ازیدکم من امری۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔ (۶) انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ انا کنا منزلین۔

ترجمہ (۱) مت خوف کر مجھ سے رسول میری درگاہ میں خوف نہیں کیا کرتے (۲) اور کہتے ہیں کون ہے جو اُسکے پاس شفاعت کرے دور ہے دور ہے یہ بات جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے (۳) کہہ اللہ تعالیٰ غالب ہے قدرت والا کیا تم ایمان لائے۔ (۴) کہہ میرے پاس اللہ کی طرفسے گواہی ہے پس کیا تم ایمان نہیں لاتے (۵) کہہ میں اپنی طرف سے کچھہ نہیں کہتا اور سب تعریف واسطے اللہ کے ہے پروردگار جہانوں کا (۶) اسکو ہمنے لیلۃ القدر میں اُتارا تحقیق تھے ہم اُتارنے والے ✤

یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ کسی شخص نے ہمارے ہاتھ پر سونف رکھدی ہے۔ ۲۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ دیکھا کہ ایک مکان ہے اسپر چڑھنے کیلیے ایک زینہ لگا ہوا ہے جو لوہے کا ہے اور تختے پاؤں رکھنے کے بھی ہیں۔ اوپر ایک دروازہ ہے۔ میں اس زینہ پر چڑھتا ہوں مگر چڑھ نہیں سکتا۔ اتنے میں اوپر سے کسی نے دروازہ بندکردیا اور کہا کہ دوسرے راستہ سے آؤ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستہ تو نزدیک ہے اور فوراً پہنچ سکتے ہیں مگر دوسرا راستہ دور ہے۔ کوئی دو تین سو گز کا فاصلہ ہے پس ہم اس دوسرے راستے سے جانے لگے تو دیکھا کہ میں ایک مضبوط گھوڑے پر سوار ہوں۔ اور آگے آگے ایک خدمتگار ہے جسکا نام غفار ہے اور ایک اور سوار بھی ساتھ ہے جو آگے آگے چلتا ہے۔ میں غفار کو کہتا ہوں کہ آگے مت نکل۔ ہمارے ساتھ ساتھ چل۔ تھوڑا راستہ طے کیا تھا کہ آنکھ کھل گئی +

۲۷۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ ۱۔ تاتیک نصرتی۔ ترجمہ۔ میری مدد تیرے پاس آئے گی۔ ۲۔ یاتیک من کل فج عمیق۔ ترجمہ ہر ایک دور کے راہ سے تیرے پاس لائینگے۔ ۲۸۔ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ حسنت مستقرًا و مقامًا۔ ترجمہ خوب ہوا از روئے جگہ قرار پکڑنے کے اور از روئے جگہ ٹھہرنے کے۔ ۵۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رہا گو سفندان عالیجناب۔ ۷۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ بوقت صبح پیش از نماز فجر۔ رؤیا۔ دیکھا کہ میں گورداسپور سے آیا ہوں اور ایک مضبوط گوٹ گھوڑے پر سوار ہوں جو گلے رنگ کا ہے۔ گھوڑے پر ہی نماز پڑھی ہے اور سجدہ بھی کیا ہے مجھے خیال آیا کہ جب میں گورداسپور گیا تھا تو میرا بھائی بیمار تھا اور انکے بچنے کی امید نہ تھی۔ معلوم نہیں اسکا اب کیا حال ہے۔ گھر کے پاس کوچہ میں میراں بخش حجام ملا۔ وہ بڑی خوش خوش باتیں کرتا ہے جس سے میں نے سمجھا کہ اب بھائیصاحب تندرست ہونگے۔ ۷۔ اکتوبر قبل از نماز فجر۔ رؤیا دیکھا کہ ایک عورت فوت ہوگئی +

۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رؤیا دیکھا کہ میں کسی جگہ ہوں اور استنجا کیواسطے ایک جگہ سے ڈھیلا لیا ہے تو دیکھا کہ وہاں بہت سے آدمی جیسے مزدور لنگوٹی پوش ہوتے ہیں بیٹھے ہیں جنسے کراہت ہوئی۔ پھر میں نے شادیخاں کو بلانا چاہا۔ اور خیال آیا کہ اتنے آدمیوں میں سے اسے کس طرح شناخت کروں مگر میں نے آواز دی تو شادیخاں فوراً کھڑا ہوگیا۔ اسکے ساتھ الہام ہوا۔ اذ کففتُ عن بنی اسرائیل۔ ترجمہ۔ جب میں نے بنی اسرائیل کو دشمنوں کے شر سے بچالیا۔ ۴۔ ستمبر ۱۹۰۵ء یا اسکے قریب کا الہام تؤثرون الحیٰوۃ الدنیا۔ ترجمہ دنیا کی زندگی کو تم اختیار کرتے ہو۔ ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔ رؤیا دیکھا۔ کہ قدرت اللہ کی بیوی روپیوں کی ایک ڈھیری میرے پیش کرتی ہے اس میں ایک لکڑی بھی ہے۔ الہام۔ اُرید الخیر۔ ترجمہ میں خیر کا ارادہ کرتا ہوں +

---

* رؤیا ابتدا میں مبشر سمجھی گئی تھیں انکو ایکطرف اللہ تعالیٰ نے ایک حد تک صحت دیکر پورا بھی کردیا مگر ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ انسان کا ذہن ہمیشہ خیر کیطرف متبادر ہوتا ہے اور یہی طریق انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ جبتک کوئی

امر جو بظاہر مصیبت کے رنگ میں ہوتا ہے واقع نہیں ہو جاتا تب تک وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو ہی تلاش کرتے ہیں اور فضل سے کبھی مایوس نہیں ہوتے ایسا ہی جب فال لیتے ہیں تو نیک ہی لیتے ہیں اور کبھی بد فال نہیں لیتے وہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کو سمجھتے ہیں اور باوجود بڑے بڑے فضل کے وعدہ کے دردناک دعاؤں میں لگے رہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت بدر کی لڑائی میں اور دوسری طرف جب کوئی مصیبت یا غم نازل ہونیوالا ہوتا ہے تو اس وقت وہ فضل سے کبھی مایوس نہیں ہوتے۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی موت جہاں ایکطرف جماعت کیلئے غم کی خبر ہے دوسری طرف جماعت کے لیے ایک عملی نصیحت کا سبق دیتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی محبت کو کم کر کے آخرت کیطرف دل لگائیں۔ کوئی نبی نہیں آیا جسکی یہ تعلیم نہ ہو کہ یہ دنیا اور اسکی زندگی ہیچ ہے۔ چنانچہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بہت دعا حضرت مولنا مرحوم کیلیے کی تو الہام ہوا۔ تؤثرون الحیوۃ الدنیا یعنی حیات دنیا پر بہت زور نہیں دینا چاہیئے یہ دنیا تو اسی قابل ہے کہ اس سے دل کو توڑ کر اسجگہ دل لگایا جاوے جہاں حیات ابدی ملتی ہے۔ حضرت مسیح موعود ع نے اسموقعہ پر یہ فرمایا کہ صحابہ کے نمونہ کو پیش نظر رکھنا چاہیئے وہ سوائے خدا کی راہ میں جان فدا کرنیکے اور کچھ جانتے ہی نہ تھے اور اس زندگی کی مطلق کوئی پرواہ نہ کرتے تھے بلکہ ہر وقت منتظر رہتے تھے کہ کب شہادت پاکر خدا سے جا ملیں۔ یہ جس قسم کی مصیبت اور غم ہمیں مولوی صاحب مرحوم کی مفارقت سے پہونچا ہے ہمارے نبی کریم صلعم کو ہر روز ایسے غم پہونچتے تھے۔ اور آپکے نہایت عزیز صحابہ آپکی آنکھوں کے سامنے قتل ہو جاتے تھے مگر خدا تعالیٰ نے آپکو دل ہی ایسا دیا تھا۔ کہ وہ سب صدمات کی برداشت کرتے اور کسی کو اگر اسقدر غم پہونچتا جسقدر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پہونچا تو وہ انہی غموں سے ہلاک ہو جاتا۔

یہ ایک عجیب بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مولویصاحب مرحوم کی وفات پر نہ صرف جماعت ہی روتی تھی بلکہ آسمان بھی رویا۔ آپکی وفات سے پہلے آسمان بالکل صاف تھا اور کئی دنوں سے اسیطرح صاف چلا آتا تھا مگر جبھی کہ آپنے آخری دم لیا آسمان پر بادل نمودار ہو گیا اور آخر جب آپکا جنازہ میدان میں رکھا گیا اور حضرت مسیح موعود نماز جنازہ کیلیے تشریف لائے تو ایسے قطرے آسمان سے برسنے شروع ہوئے جو بالکل رونے سے مشابہ تھے جو احمق نادان اس موت پر ہنستا ہے وہ یاد رکھے کہ یہ ہنسنے کا وقت نہیں یہی موت کا دروازہ ہے جس سے سب نبی اور ولی ہو کر گذرے اور آخر اسی سے سب نے گذرنا ہے دوسری طرف اللہ تعالیٰ اس جماعت کو بھی حکم دیتا ہے کہ حد سے زیادہ غم نہ کریں۔ مولویصاحب مرحوم کی وفات سے چند گھنٹے پہلے یہ الہام الٰہی ہوا۔ یا یہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم یعنی خدا کی ہی عبادت کرو جسنے تمہیں ناچیز نطفہ سے پیدا کیا۔ اسمیں یہ اشارہ ہے کہ حد سے زیادہ محبت کرنی بھی ایک آدمی کو معبود بنا لینے کے برابر ہوتی ہے یہ اسی کے مشابہ ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بڑے زور سے کہا تھا من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت +

شیخ یعقوب علی صاحب نے اپنے مطبع انوار احمدیہ میں منیجر میگزین کے لیے چھپایا +